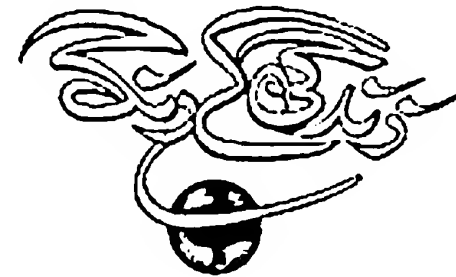


سر سبز تر و تازہ تراشی ہوئی گھاس کے وسیع فرش  
 وہ سب اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ احمد  
 آج ہی اسٹریٹس طوطے لایا تھا۔ درمیان فزول اور درود  
 تپتی تپتی بڑے اشتیاق سے پنجرے کی جالیوں میں  
 سے بھانک بھانک کر رنگ برنگے طوطوں کو دیکھ رہی  
 تھیں۔ ان سے کچھ فاصلے پہ اپنے کورس کی کتاب میں  
 مگن درود نے پائیند کی سے انہیں دیکھا اور روئے  
 نمن احمد کی طرف موڑا۔  
 "احمد بھائی! آپ ہر روز نئے پرندے کیوں قید  
 کرنے کے لیے لاتے ہیں؟"  
 "دیکھو تو انہیں کتنے مزے مزے کی چیزیں بھی  
 ملتا رہا ہے اور بے شمار سوتھیں پنجرے میں میا کر  
 رکھی ہیں۔ تھنڈے شہر نہیں سنا۔  
 جنہیں سونے کے پنجرے میں غذا مل جائے چاہی کی  
 انہیں پھر مگر بھر آڑیاں اچھی نہیں لگتی  
 "بھائی! یہ آپ کا خیال ہے درود قید چاہے کسی کی  
 نویت کی ہو قید ہوتی ہے۔ چاہے اسے کھاس ۱۱  
 کھاس ہو مگر جیل میں رہنے والا قیدی ہی ہوتا ہے۔  
 درود باقاعدہ بٹ پراٹر آئی۔ مگر احمد وہاں طوطوں کی  
 ناز برداری میں مگن ہو گیا تھا۔  
 درود آپ نے کتنی خیر نگاہوں سے غریب کی طرف  
 دیکھا۔  
 "ہوں اے کھاس کا قیدی۔ مثل تو ہر روز  
 ہے تو دیکھ پے ہاتھ مار کر بھی تو رعنا بھی ان  
 دیکھا۔"

نبیلہ بڑھاپہ



تاری

قریب آگئی۔ حور یہ نے منظر سے ہٹ جانا ہی غنیمت سمجھا اور کتاب اٹھا کر جھولے کے پاس آگئی۔ ساری تواریں اور مسکراہٹیں پیچھے رہ گئیں۔

بے زبان جانوروں کے معاملے میں وہ کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ پچاسیاں نے تیرپل رکھا تھا جبکہ احمر بھائی نے دنیا جہان کے طوطے چڑیاں جمع کر رکھے تھے۔ حور یہ بڑے دھڑلے سے پچاسیاں اور احمر بھائی کے سامنے پنجرے کے بے زبان قیدیوں کا دورا دکھائی جس پر پورا گھر خاص طور پر غزل اس کا مذاق اڑاتی مگر باسیاں اپنی چھوٹی اور لادنی بینی کے ان نازک خیالات کی بے حد قدر کرتے۔

اباسیاں گاڑی سے جو ای اترے حور یہ سامنے آگئی اور معمول کے مطابق سلام کرتے ہوئے ٹخن ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر غسل خانے سے باہر آئے تو وہ چائے کی ٹرے سجائے ٹخن ہی کے انتظار میں تھی۔

اباسیاں کی دفتر سے واپسی پر شام کی چائے بڑے اہتمام سے لی جاتی تھی آج بھی رعنا نے پکوڑے بنائے تھے۔

اباسیاں کسی دنیوی پریشانی کا ذکر کر رہے تھے۔ کلثوم توجہ سے سن رہی تھی۔ اسد بھائی آگئے تو رعنا ان کے لیے مزید چائے اور پکوڑے لینے کچن کی طرف چلی گئی۔

اسد کی متلاشی نگاہیں ورہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ چائے کا کپ لے کر پہلے ہی اندر کمرے میں جا چکی تھی۔ رعنا اور حور یہ یہ اس کی بے قراری ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے یہ بات ممکن بھی نہیں تھی اور جب اسد اور ورہ کی گفتگو ہوئی تھی تب سے اسد کا ورہ والے پورشن میں آنا جانا بھی بوجھ گیا تھا۔ بول چال اور ملاقاتوں پر ویسے بھی پابندی نہیں تھی شروع سے وہ اکٹھے پلے بڑھے تھے اور ساتھ کھیل کر جوان ہوئے تھے۔ اباسیاں اور کلثوم کو بیٹیوں کو دی گئی تربیت اور کردار پر

اعتماد تھا اس لیے یقین واثق تھا کہ اس حوالے سے کوئی مسئلہ نہیں اٹھے گا۔

ورہ چائے کا خالی کپ لے کر باہر نکلی تو اسد کی آنکھوں میں روشنی سی آگئی۔ اباسیاں عصر کی نماز کے لیے اٹھ چکے تھے۔ ان وضو کر رہی تھیں۔ حور یہ حسب معمول کتاب میں مگن تھی رعنا کچن میں چائے کے برتن دھو رہی تھی اسد کے لیے کھانا تیار کرنے کا برا مناسب موقع تھا۔

تم ہی ہو ہمارے حواس پہ چھائے ہوئے آج اس باب کو ہم سرخام کستے ہیں ورہ اس کے اس طرح شہر زبانی چھیننے لگی۔

”بھابھائی جہ تو تم“ ”مگر ہٹ میں وہ کی کہہ رہی تھیں! تنے میں رعنا ہاتھ پونچھتی کچن سے برآمد ہوئی اسد کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

حور یہ اس وقت پچا کے ڈرائنگ روم میں سرینا سے پوچھ رہی تھی۔ اس کی شانہ بھائی اور بلور دی شوفر دیکھنے والے کو بخوبی اس کی احساس دلاتے تھے۔

”مرچ پی جانے کیوں سرینا کو دیکھتے ہی تم ادا چڑھالیتیں۔ وہ بے چاری شرجیل سے فریج میں خیریت دریافت کرتی جواباً کہتا۔

”ای سرینا پوچھ رہی ہے آپ کیسی ہیں؟“ ”خولہ پچی ہستے ہوئے (ظاہر) ”ٹھیک ہوں“ ”کہہ کر اس کا منہ دیکھنے لگتیں۔ تو وہ نذر لگا رہا کر کہتی۔

”ٹھیک یو ٹھیک یو۔“ ”سرینا کے مٹلوں کی فریج ٹھیک یو پر ہی آکر ٹوٹی۔

آج اس نے منگے ہوئے ٹھیک کا سلا سلا یا فیروال ڈالا اور بڑے نازک سے کرم کمر کے بالی ہل بلال ام رکھے تھے۔ حور یہ کو تو وہ بت اچھی لگی ”فرزل! سرینا کے سامنے ہی اراد میں حور یہ سے کہا۔

”تمہیں پتہ ہے سرینا نے یہ جوئے پہاڑ کیا

تے تھے میں لیے ہیں؟“ اس کا اشارہ سرینا کے کلا رنگت والے پاؤں میں مقید کرم کمر کی نازک جوتی کی طرف تھا۔ جب بھی سرینا آتی وہ حور یہ سے ضرور پزل لینا نہ بھولتا۔

حور یہ ابھی جوتوں کی قیمت کا تعین کر رہی تھی کہ فرزل نے آہستہ سے اس سے کہا۔

”دیکھو سرینا نے آج ہی مجھے یہ شوز دلوائے ہیں ہار۔ نو ہزار کے ہیں۔ نو ہزار سمجھتی ہو ہزار ہزار کے انٹ اپنے ہاتھ سے دکان والے کے ہاتھ پر رکھے ہیں انہیں کا انداز سراسر تاؤ دلانے والا تھا۔ حور یہ کو بھی لگا۔ ”ای۔ ای۔ اس سے پہلے کہ تو تو میں میں ہوتی غزل نے اعلان رفق کر دیا۔

”کھانا تیار ہو چکا تھا۔ سرینا کی پر خلوص دعوت پہ اس کی ساتھ دینا پڑا۔

کھانے کے بعد غزل پی کر سرینا اپنے شو فر کے ساتھ فرزل کے ہمراہ واپس چلی گئی۔ واپسی کے سفر میں فرزل نے ورہ اس کے ہمراہ جاتا۔ بلور پھر خاصی دیر بعد آیا۔

حور یہ سرینا کے جاتے ہی اپنے پورشن میں آگئی۔ اور شرجیل کا غیر واضح سا تعلق اس کے ذہن کو بڑا کرنا۔

”میں کھن مری جا رہی ہے شرجیل کے لیے“ ”ایا ایا ایا لیا ہے۔ کون سے لعل جڑے ہیں لڑیل بھائی میں جو بے چاری سرینا مر رہی ہے۔“

\*\*\*

ال اور کلثوم کی جب شادی ہوئی تھی اس سے کم دو پہلے ہی بلال نے ایک پراسیوٹ کو اس سے مل کر ان کی شادی کی خبر سونے کی پیدائش کے فوراً بعد اس کو دیا تھا۔ اس دنیا میں وارد ہو گئی تھی۔

”ایا ایا ایا لیا ہے۔ کون سے لعل جڑے ہیں لڑیل بھائی میں جو بے چاری سرینا مر رہی ہے۔“

سے بھی تین بیٹیوں کی مل نظر نہیں آتی تھی۔ گھر کے تمام کام کاج اپنے ہاتھوں سرانجام دینے کی وجہ سے جسم و سانی چھریاں اور گردن زیادہ سے زیادہ درد اور رعنا کی بڑی بہن نظر آتی۔ حور یہ کو امی سے والہانہ لگاؤ تھا۔ دونوں ہی اپنی بیٹیوں کو بے حد چاہتے تھے۔ انہوں نے بیٹا نہ ہونے کی خواہش کو روک نہیں بنایا تھا اور ان بیٹیوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی تھی۔

شادی کے بعد بلال نے سب بھائیوں کے ساتھ مل کر رہنے کو ترجیح دی تھی۔ گھر ان کے دادا کے زمانے کا تعمیر کردہ تھا اور اس وقت کے لحاظ سے خلاص و وسیع و عریض اور ٹھیک ٹھاک گنجائش رکھتا تھا۔ تیار نے بیٹے کی شادی کی تو اوپر تین کمرے اور ڈرائنگ ڈائننگ روم کے ساتھ ساتھ دوم اور کچن بنوایا تھا۔

خود بلال کا پورشن کھانا کھلا اور ہوادار سا تھا۔ تین کمروں کے ساتھ ڈرائنگ روم اور اسٹور بھی تھا۔

ورہ اور رعنا دونوں اپنی تعلیم مکمل کر چکی تھیں۔ ورہ کی ڈیڑھ سال پہلے رؤف پچا کے بیٹے اسد کے ساتھ منگنی ہوئی تھی اسی منگنی کی تقریب کے دوران رعنا اسد کے دوست فرحان کو پسند آئی۔ پچا اور رؤف کے توسط سے رعنا کا رشتہ فرحان سے طے پایا اب اسی سلسلے میں انہیں شادی کی جلدی تھی۔ کلثوم اور بلال ورہ کے ساتھ ساتھ رعنا کے فرض سے بھی جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

بلال کی تنخواہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ کچھ رقم بچت اسکیموں میں بھی انویسٹ کر رکھی تھی۔ پھر کلثوم شروع سے ہی خاصی کفایت شعار اور سلیقہ مند تھی۔ تین بیٹیوں کی مل ہونے کے ناتے اسے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ رعنا ورہ اور حور یہ کے لیے جیز ساتھ ساتھ ہی تیار کرنا ہو گا۔ اپنے اس احساس کو اس نے عملی جامہ پہنانے میں درم نہیں کی تھی یہی وجہ تھی اب ورہ اور رعنا کے لیے اکثر چیزیں خریدی جا چکی تھیں۔

"بالا! میں چاہتی ہوں کہ درود اور رعنا کے ساتھ ساتھ حوریہ کے بارے میں بھی جلد ہی کوئی حتمی فیصلہ کر لیا جائے۔" کٹھن ہست سنبھلے گئی۔  
 "ہوں۔" بالا نے ہنکارا بھرا۔

"بھائی میاں کا بھی یہی خیال ہے مگر ہندو حوریہ کے ارادے بہت بلند ہیں۔ وہ لیلیٹنڈ اور ذہین لڑکی ہے۔ ایم۔ اے کے بعد صحافتی میدان میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتی ہے مگر بھائی میاں کو بھی تمہاری طرح جلدی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ابھی حوریہ کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔" وہ سچائی سے بولے تو کٹھن الجھ بیٹھ گئی۔

"کیوں آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"  
 "اس لیے کہ حوریہ اپنی تعلیم مکمل کر لے۔" کٹھن انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"بالا! میرا خیال ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں بیٹیوں کے فرائض سے جتنی جلد سبکدوش ہو جائیں بہتر ہے خیر آپ کی مرضی۔ لیکن درود اور رعنا کے سرسری دانوں کو جلد ہی تاری بنیاد بنائے گی۔"  
 "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ابھی روٹ بھائی سے بات کر لیتا ہوں۔" وہ اٹھ کر بھائی کے پاس چلے گئے۔



شرجیل شادی کے دھڑکی کارڈز پر مہمانوں کا ہم لکھ رہا تھا اس کام میں حوریہ بھی اس کی مدد کر رہی تھی۔  
 "میرا خیال ہے کہ سرینا کے پاس امی کے ساتھ جانا پڑے گا۔ تم اور چچی بھی تیار رہنا۔ سہیں دیے بھی وہ بہت پسند کرتی ہے۔" کارڈ خود دینے جاؤ گی تو خوش ہو جائے گی۔ "وہ کچھ دیر کے لیے لکھتا موقوف کر کے بولا تو حوریہ نے بڑے مصروف سے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

"یہاں پر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے اسے کون پہنچے دے گا۔ انگریزی جاننے والے گھوٹکھٹ میں ہوں گے۔" وہ شرارت سے مسکائی۔

"اے لڑکی! تو مست کہو خود سرینا کی انگریزی بھی اہلی لنگڑی سی ہے وہ تو فریج ہی بولتی ہے۔ بس تم لوگوں کے ساتھ وہ جیلو ہائے کی۔" نیک۔ انگریزی میں گفتگو کر رہا ہے بلکہ وہ تو لگتی ہے کہ غزل اور درویشین کی انگریزی بہت اچھی ہے۔ خود سرینا کہتی ہے کہ میں نے پاکستان آکر ہی انگریزی کے کچھ جملے سیکھے ہیں بس جہاں سے اس کی انگریزی کی حد ختم ہوتی ہے وہیں سے میں مترجم کے فرائض سرانجام دینا شروع کرتا ہوں۔" وہ لگاؤ لے لے میں بولا تو حوریہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"شرجیل بھائی! ایک بات پوچھوں؟"  
 "پوچھو بھئی۔" وہ مگن سا تھا جیسے اسی وقت غزل کے آواز دینے پہ وہ ہار چکا گیا تو حوریہ کی الجھن دہان کی توں رہ گئی۔

ابھی سرینا کا شرجیل کے ساتھ کیا تعلق ہے؟  
 سرینا شرجیل سے عمر میں آٹھ نو برس بڑی ہے اس کا مذہب مول جہاں رسم رواج ہر چیز ہم سے جدا ہے مگر اس کے ساتھ میں بچا میاں کے گھرانے یہ اس کی نوازشات در نوازشات کا سلسلہ۔ شرجیل کو اکثر میاں کے منگے تھا کف دینا تقریباً روزانہ ذرا اشار ہو لڑکوں کا دوز کر داتا۔ موبائل پہ اسے لمبی لمبی پکڑ کر لے رہا ایک ایک انداز پر زبان خاموشی کسی خاص قسم کی اظہار کر رہا تھا مگر شرجیل اس کا ذکر عام سے انداز میں کرتا۔

خولہ چچی اور غزل کا رویہ سرینا سے کلنی ہنگ تھا۔ بس اس حد بھائی اپنے آپ میں گمن نظر آتے۔ سرینا کا ذکر اچھے انداز میں ہی کرتے اور کبھی بھی چھیننے کی خاطر کہتے کہ۔

"کاش کوئی سرینا شرجیل کی طرح ہمیں بھی نکال دال دے تو اپنی تو قیمت ہی بدل جائے۔" دور دورہ کی شرارت جن جاتی مگر وہ ناراض ہو جاتی۔

ایسی ہی ایک ہستی شرجیل کی مستیتر بھی حوریہ شرجیل جو پنجاب کے ایک دور دراز کے گاؤں میں رہتی تھی۔ وہ ان پڑھ نہیں تھی مگر اپنے تمام تر اظہار

اور مزاحی کے باوجود وہ حوریہ کو بہت اچھی لگتی تھی۔ اس نے اس لگتا جیسے نازش وہ نہیں ہے جو در حقیقت ظاہر کرتی ہے۔ وہ شرجیل کا چھوٹا بھائی تھا۔ سال بچہ ۱۵ بعد راولپنڈی اسلام آباد کے پتھر لگتے تو تمام رشتہ داروں سے ملاقات ہو جاتی۔ ایسی ہی ایک ملاقات میں ازبک سامنا سرینا سے ہوا تو اس نے بڑی حسرت سے اس کو دیکھا اور پھر کرید کرید کر شرجیل سے اس کے بارے میں پوچھا تو وہ بڑی صفائی سے اپنے احسانات بھڑکائی۔

نازش دراز اسی بات پہ بھڑک اٹھتی تھی۔ قوت ادا اس میں نہ ہونے کے برابر تھی مگر شرجیل نے اس نے بھی تیز آواز میں بات نہیں کی تھی۔ اس کی لگتی ہوئی تو وہ پورے مینے ماہوں کے مگر رہی اس دوران سرینا برابر آتی جاتی رہی۔ اس نے نازش پر لگتی ہوئی شرجیل کو وسیلہ بنا کر بات کرنے کی کوشش کی۔

اس نازکی کال کتنا اچھا ہے تم اس کی جھل کو کیوں اٹھاتی ہو یہاں ہمارے ملک میں بھی ایسی بہت سی لڑکیاں ہیں۔" غزل اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ سرینا کی طرح نازش بھی حوریہ کی سمجھ سے باہر تھی۔

ابھی اس کے تیور درشت ہوتے پر حوریہ جانتی تھی کہ نازش کا دل بہت نرم ہے۔ وہ ہاتھ پاؤں کی باتوں اور بے قد کی مالک تھی۔ گندھی چروا جیسے غزل۔ سجاد کھینچنے والے کو بھلا ہی لگتا۔

حوریہ کے ساتھ اس کی بہت دوستی تھی۔ چھوٹے بھائی کی جگہ پر اس نے بار بار اسے اپنے کانوں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس بار جب وہ تکی تو حوریہ کے لیے لاس طور پہ مکتبی کڑھائی کا سوٹ لے کر تکی جو وہ لایا تھا اس کے ساتھ سوات پس کر گئی۔ نازش اسے لے کر تکی پر لپکی پہ خوشی سے چھوٹے سہلی کی ایسی باتیں کہتی تھی کہ وہ خوش ہو سنے والی لڑکی تھی۔

اور رعنا کی شادیوں سے پہلے ہی غزل کی

اچانک اور بھگی مالت میں شادی ہو گئی۔ اس کی ہونے والی سانس کو معمولی نوعیت کا بارت ڈنک ہوا تو اس نے اسے موت کی گھنٹی سمجھ لیا اور فوراً شادی کا تباہ کیا۔ میں مرنے سے پہلے ابراہیم کے سر پر سرا دیکھنا چاہتی ہوں۔

رووف اور خولہ نے نہج پٹ تیار کر لی۔ غزل کا جیزین شاد ار تھا کہ اس سے پہلے ان کے خاندان میں کسی کو اتنا شاد ار جیزین ملا تھا۔ سرینا نے غزل کو صرف بیس ہزار تو ساری کے ہی سیلے باقی قیمتی خفیے اس کے مار دو تھے۔

حوریہ کو ایک بار پھر یہ سوال تک کرنے لگا کہ سرینا یہ سب کیوں کر رہی ہے؟ انہیں اس فراخ دلی سے اپنی دولت شریں اور اس کے گھر والوں پر لگا رہی ہے۔

ایزہ باوجود ورور اور رعنا کی بھی شادی تھی۔ اسی دوران یہ دلی سرگوشیاں بھی سنی گئیں کہ بڑے بچا اپنے بیٹے کا شاف سے حوریہ کی شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لڑکیوں بائیاں اسے ابھی سے چھیننے لگی تھیں۔

چند لڑکے پاس سے کلثوم آنے کی زیورات لے کر آئی تھیں۔ کپڑے سلنے کو دینے جا چکے تھے۔ الیکٹرکس اور فرنیچر کا سامان پہلے ہی خرید کر گھر میں رکھا ہوا تھا۔ کارڈ پمپ کر آ چکے تھے۔ کلثوم نے بال کے ساتھ خود بنی دستوں رشتہ داروں کو کارڈ دینے کا فیصلہ کیا۔

اسعد شریں ۴۴ تر اور کا شاف بھی اسی کام میں مصروف تھے۔

کلثوم بال کے ساتھ ابھی تو بھگتے پہلے بال کے ساتھ نکلی تھیں۔

دو قیوں ہمیں بی بی لاؤنج میں ملکی پینکی کھتو کے ساتھ شادی کے نوڑے ناک رہی تھی۔

پاس نرالی پڑائی دی تھن تھا مگر کسی کی توجہ بھی اس سمت نہیں تھی۔

حوریہ کو پیاس تھی تو وہ پانی پینے کے ارادے سے جوں ہی دروازے سے باہر گئی اسی وقت وہ تینوں لڑکے مرکزی دروازہ کھول کر عین اس کے سر پہ آ پینے اور

اسے چھیننے کی بھی مسامت نہیں ملی۔  
”پلو اندر اور دیکھو آوا“ نہ نکلتے۔ “کلی شرت والے نے ہسٹول اس کی آنکھوں کے آگے نچایا تو اس کی رہی سہی موت بھی خواب سے تھی۔

جوں ہی وہ اندر داخل ہوئی ورور اور رعنا کی حاحو بدلنے بھی دیر نہ لگی۔ ان کا پورشن ذرا الگ تھا کہ اس لیے کم ہی اندکین تھا کہ اس خطرے کا کسی کو پتہ چلا جو اس وقت ان کے سروں پہ تاج رہا تھا۔

اور پھر مزہ بھی کچھ پر نہیں تھے جو وہ کسی کو کار لے کر رکھ لیتیں۔ ورور کی حالت سب سے زیادہ دگر گوار تھی۔ وہ ویسے بھی مہمت اور ذہن پرکھی تھی۔ تینوں میں سے ایک اندر دلی گھرے کی طرح ہوا۔

چہلی زیورات پر اترتے ہوئے نقد رقم اور دیگر قیمتی چیزیں تھیں۔ وہ ساتھ ساتھ تینوں کے تھیلے میں سب دھونڈ

بجھنے لگی۔  
رعنا اور ورور کے تمام خواب و آرزو میں اس کے تھیلے میں بند ہو گئی تھیں۔

رعنا حواں حواں ہوتی آنکھوں سے سہاگہ دیکھ رہی تھی۔

کلی شرت والا صوفے پہ بیٹھ مرنے سے ناگہم رہا تھا۔ اس کا اطمینان قائل دید تھا۔ ان تینوں کے اپنی شہیں چھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی بات اس بات کی غماز تھی کہ ان کی رسائی کلی لوم تک سب دونوں اندر سے تھیلوں سمیت نکلتے اور بالی شرت والے کے پاس گھبرائے جو دروں کو نکالواں گا دھار میں لیے ہوئے تھا۔

”اب نشے کی کرو۔“ لے لے اند اور تھنی موٹھو اور ورور مانی عمر کا کڑا باز سے مصروف انداز میں بولا۔

”اتنی جلدی کیا ہے؟“ وہ روٹی روٹی خولڑا کی ورور کے نازک سراپے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ”تم تو بس جلی لڑکی دیکھی پھسل جاتے ہو۔“ قیسی شلوار والا بڑے بے دروازہ میں بڑا مہم سمیت ان دونوں کو بھی ناپید خطرے کا احساس ہوا۔ ”یہ تھی بھی تو بڑی خاص ہے۔“ وہ صوفے پر

اندر دیوار کے ساتھ کھلی ورور کے پاس آیا جس کی رات میں ایک ایک زوری کھل گئی تھی۔

”دیکھو ہمیں جو کچھ لیتا تھا لے لیا ہے۔ اب ہلیز میں سے ملے جاؤ۔“ حوریہ نے بے ساختہ کہا۔

”طعم دیتی ہے مجھے ختم دیتی ہے؟“ کلی شرت وار ہانف غصے میں آگیا اور زوردار فقیر حوریہ کو

تین بار اسوہ احساس تو ہیں سے سلک کر رہی۔  
”ہمیں نہیں بوسیں چینی گریا۔“ کلی شرت والا

اب راہ کے چرنے کی طرف جھکا ہوا تھا۔  
حوریہ زور زور سے چیخا چاہتی تھی مگر اس کی قوت

گوئی سر پر ملک الموت کی طرح کھڑے ہسٹول بردار نے سب کر لی تھی۔ کلی شرت والا ورور کے پاس

لے گیا۔ اس کے ہاتھ کسی اڈوے کے کھلے منہ کی طرف اس کی طرف بڑھے تھے۔

قیسی شلوار والے نے باری باری تینوں کے ہاتھ مارے اور ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر ہونٹوں پر

پہنچا۔  
حوریہ نے دیر ہی سے در نہ کھڑی تھی سے پاسا لوٹ کر نہ

انہی شرت والا جاتے جاتے پھر اووا کی انداز میں

ساتھ رکا اور وہ ناقابل برداشت حرکت کی

نہی۔ ورور کے رہنے سے اوٹلن بھی ڈھاکا کر پڑے۔  
”اب بول سکتی تھی نہ حرکت کر سکتی تھی۔“

صرف اس کی عمر وہ آواز سن سکتی تھی۔  
”تینوں جس طرح آئے تھے اٹھ گئے۔“

اس منٹے کی خبر سب سے پہلے اسعد کو ہوئی جو

اس سے جلدی لوٹ آیا تھا۔  
نام نہ بال اور کلثوم تمام دوست احباب کو کارڈز

دار و ستہ تب انہیں پتہ چلا کہ ان کے پیچھے کیا

ہوا۔ سب بال اسی وقت اپنا سینہ پکڑ کر دوہرتے

کلثوم کے آنسو اندر ہی اندر خشک ہو گئے تھے۔ وہ

ساکت و جلد قسمت کی اس ستم گرانی پر شکوہ کندی تھی

احساسات جیسے برف ہر گئے تھے اور آنکھوں میں

زندگی کی رہتی بلم کو نہ تھی۔  
چالیسویں تک سب رشتہ دار تواتر سے آتے

رہے۔  
بلین براسوٹ فرم میں کام کرتے تھے اس لیے

واجبات کی ادائیگی کا سولہ ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔

کھیتی کے مالک مل ایسٹ میں تھے۔ مینجور نے برائی

خدمات کے پیش نظر ہزار ہزار روپے خود گھر آکر کلثوم

کو دے اور تعزیت کے دو حرف کہہ کر چلا گیا۔ اب

کلثوم کے آگے ذمہ داریوں کا کوہ گرا ہوا تھا۔

حوریہ نے فوت کیا کہ اسعد بھائی نے مینے بھرے

ان کے پورشن کا کچر نہیں اگایا ہے۔  
مدت کا زمانہ کلثوم نے کسی نہ کسی طرح ان قیوں

کے ہراو گزار لیا۔ تمام جمع جتنا ختم ہو چکا تھا۔ رووف

بچا اور خولہ چینی کے بدلے بدلے روپیے نے از خود

بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ کئی تو سب کو شادی کی جلدی

پڑی تھی اب ایک سفاک سی خاموشی طاری تھی۔

”ای! ہمیں جارہی ہیں؟“ وہ ذرا کی ذرا کی اور

پچھے مڑے بغیر ہوئی۔  
”رووف بھائی اور تمہاری چچی کے پاس۔“ پھر وہ

آہستہ سے تمام بیڑھیاں باز کر گئی

کلثوم اپنی باتوں کا رد عمل رووف بھائی اور خولہ

بھابھی کے چہرے پہ تلاش کر رہی تھی۔

ایک تکلیف سنا سنا طاری تھا۔

”دیکھیں کلثوم بھابھی! میں اسعد سے بات کر کے

آپ کو بتاؤں گی۔“ آخر کار خولہ چچی نے اس خاموشی

کو توڑا۔  
”اسعد سے کیا بات کریں گی؟“ وہ حیران ہوئی۔

”بھابھی! آپ نے مجھے سب کچھ کہنے پہ مجبور کر دیا

ہے پھر جو صلے سے سنیں۔ اسعد نے ورور سے شادی

کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ "انہوں نے بڑی سفاکی سے بچ لکھ لیا۔ اس موقع پر کٹھوم نے بڑی مشکل سے اپنے حوصلوں کی کڑی دیوار کو سارا دینے کی کوشش کی۔

"کیوں؟ اسعد نے شادی سے انکار کیوں کر دیا۔ اچانک اسے کیا ہو گیا ہے؟" کٹھوم نے امید افزا نگاہوں سے رؤف صاحب کی طرف دیکھا تو وہ نظریں جھرمکے اور خواخوہ جوئے کی نوک سے فرش کریدنے لگا۔

"اس نے ان مردوں کے جانے کے بعد وردہ کو جس حال میں دیکھا اس کے بعد شادی کی گنجائش ہی نہیں رہتی ہے۔" خولہ نے بڑے آرام سے وہ پتھر سے الفاظ اس کی سماعتوں کی طرف اڑھکا۔

"کس حال میں دیکھا اسعد نے نیت اور پھر یہاں وردہ کا کیا تصور ہے، دادہ تو اب بھی کھل کی طرح ہے اس کا دامن ہر طرح کی آلودگی سے پاک ہے۔ کیا ہوا اگر جو اس بد نیت نے خالامت کے پنہ چھٹے میری فرشتوں کی طرح معصوم وردہ پر اڑانے کی کوشش کی ہم بڑے نقصان سے محفوظ رہے ہیں۔"

میں بھی ایسے آپ کہہ رہی ہیں۔ ذرا گھر سے باہر لوگوں کی نکلے داروں کی ذہرائکتی زبانیں دیکھیں تو تب پتہ چلے۔ بھلا اسعد ایسی لڑکی سے ایسے شادی کر سکتا ہے۔"

ان کے لفظ میں خنج کی سی کٹ تھی۔ رؤف صاحب اس دوران بڑے لاسلطی سے نیچے چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے ایک بار بھی خولہ کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ کٹھوم چپ چاپ وہاں سے اٹھ نکلے۔ پورے گھر میں جوت کا سناٹا طاری تھا۔

وردہ کو بھی پتہ چل گیا کہ اسعد نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ صدمے سے اس کے اعصاب شل ہونے لگے۔

"میں اسعد سے پوچھوں گی ضرور۔" اس کی آنکھوں میں جنونی سی چمک تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ باہر نکل کر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنائی حوریہ اسے

نزدستی اندر لے آئی۔

"بھلا اس کم ظرف، کم مرت، فریبی انسان سے کیا پوچھیں گی؟ یہی کہ تمہیں ذبحہ سے محبت تھی، تمہارے بڑے لبتے چوڑے دعوے کرتے تھے اب تمہاری محبت کیا ہوئی؟ تو اپنی حقیقت بڑی کڑی ہے۔ خولہ جتنی کولڑکی کے ساتھ لسا چوڑا چیز بھی چاہے تھا جس کی اب امید دور دور تک نظر نہیں آتی، سب کچھ لٹ گیا ہے اب ہمارے پاس کیا بچا ہے؟ اسی نے روز بچپا سے کہا کہ تمہاری اب بھی اگر خواہش ہے تو میں وردہ کو صرف تین کمپروں میں رخصت کر سکتی ہوں اس سے زیادہ کی امید مت رکھیے گا تو پتہ ہے جتنے کا کتنا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے ساری زندگی محنت کر کے پیسے خرچ کر کے بیٹیوں کو پڑھایا لکھایا ہے اب اپنی محنت کی وصولی کا وقت آیا ہے تو میں کیسے وردہ کو قبول کر لوں۔ اگر انہیں خفی رشتوں کا کٹا اور عہد کی پاسداری ہوتی تو ہرگز یہ لفظ زبان سے نہ نکالتیں۔ ظاہر ہے پتہ بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ وردہ کو سنی نہ سکے علوم نہ سنے نہ۔ یہ حقیقت کا سامنا کرنا سیکھیں وردہ کو بڑی مشکل ہو جائے گی۔" سدا کی شیخ و شرور تھا حوریہ اس وقت بڑی سمجھ دار لگ رہی تھی۔

وردہ جامد تیوروں کے ساتھ سانسے دیوار کی طرف دیکھتی رہی۔

"پھر بھی اگر آپ چاہیں تو بے شک اسعد جھٹکتا بات کر لیں۔" حوریہ نے بڑے رسلان سے اس کا پتہ اپنی طرف موڑا۔ وردہ کی آنکھوں میں کرب سا چمک رہا تھا۔

"کسی نے بھی پرانے تعلق کا لحاظ نہیں کیا تو آپ بھی دل پہ مت لیں۔" حوریہ نے نظر اٹاتے ہوئے بولی اور ہر اس وجہ سے جو برا کر رہا تھا۔

وردہ سوچے سمجھے بغیر میکانیکی انداز میں انہی لوا اسعد کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ اندر ہی تھا لا فی بی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔

بات بات پر اس کے حسن کے قصیدے پڑھتا اسعد خاموش تھا۔ اس کے مناسب سراپے کی ادا

سرائی کرنے والے لب ساکت تھے وہ فریم میں جڑے منظر کی طرح دبیز آگے اسعد کو دیکھ کر ہنسی تھی۔ وہ ریموٹ سے لی وی آف کر کے خواہ مخواہ ترتیب سے بڑی کتابوں کو انٹ پلٹ کرنے لگا تو دروازے پر آئی۔

”اسعد! آپ نے شادی سے انکار کیوں کیا ہے؟ حیرت انگیز طور پر اس کا لہجہ پر سکون سا تھا۔ لاکھ جب وہ یہاں آئی تھی تو اس کی کیفیت طوفان کی زد میں آئے تھے کی طرح ہو رہی تھی۔ اسعد کی بے نیازی دیکھ کر اس نے بہت جلد خود کو سمیٹا تھا اور یہ خوں اس سے نہیں بہتا تھا۔

”میں کہتا تو نہیں چاہتا۔“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غریب پڑھنے والا اسعد اس کی طرف سے پیٹھ موڑے کھڑا تھا۔

”میں روایتی سامریوں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے تمہارے ال کش سرائے سے محبت کی۔ ہر مرد کی طرح میری بھی تمنا تھی کہ تمہیں چھوٹنے والے پہلے ہاتھ میرے ہوں مگر افسوس میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی مجھ سے پہلے کسی اور نے یہ کیا۔“

تمہاری کیفیت، تمہاری دھواں دھواں پتھرائی آنکھیں اور تمہارا بے ترتیب لباس، سب جچ جچ کر گواہی دے رہے تھے کہ کسی صاحب کے ہاتھ تمہیں چھوچکے ہیں اس سے آگے میں سوچتا بھی نہیں چاہتا۔“ دروازے کو لے کر نہیں آ رہا تھا کہ اسعد ہے۔ یہ الفاظ جو ہونٹوں سے ادا ہو رہے ہیں انہیں کہنے والا وہ خود ہے۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ کمال ضبط سے کلام لیتے ہوئے اس نے اٹنے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو گرا۔

”دور! ہو سکے تو مجھے معاف کر دیتا۔“ اسے واپسی کے لیے قدم موڑتے دیکھ کر وہ بولا۔ الفاظ کے برعکس لہجہ کی قسم کے احساس شرمندگی سے عاری تھا۔ اب کلثوم، رعنا کی سرسبز دھواں کا رد عمل دیکھنا چاہتی

تھی۔

حسب توقع دوسرے ہم انکار ہو گیا۔ وہ بھی نڈی خوں ہو کر قبول کرنے پہ آمادہ نہیں تھے۔ حالانکہ فراہم نے بہت شور مچایا کہ شادی کروں گا تو تمہارے علم کروں گا۔ اس کے سوا کوئی اور لڑکی میری زندگی میں داخل نہیں ہوگی۔ عمر والدین کے آگے اس کی ایک جلی۔ کہیں تو شادی کی تاریخ لینے کے لیے چکر پر ہلکے لگائے جا رہے تھے اور کہاں لب منگل کی انگوٹھی دھال کر دی گئی تھی۔

کاشف اور حوریہ کے رشتے کی دلی دلی جو سرگوشیاں تھیں وہ بھی نہ توڑ سکتی تھیں۔

ان کے پورے بدن میں کوئی بھولے ہوئے۔ بھی اڑ رہا تھا۔ کلثوم سے پیوستہ بھی کسی کی نہیں تھی۔ وہ خانہ انا سے باہر کی تھی اور پھر بال سے شادی کی تھی اس لیے عرصہ دراز تک سب کے مقابلہ کشانہ بھی وقت نہیں تھی۔

اب بال کے انتقال کے بعد غولہ نے اپنا کینہ اور نفرت چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس بات کی بہت خوشی تھی کہ اسعد نے خود ہی انکار سے انکار کر دیا ہے کیونکہ جب سے سرنگ کی فیاضی برسرِ مٹی نہیں تب سے ان کی سوچ بھی بدل گئی تھی۔ روٹ صاحب کو ہمنوا بنانے میں انہیں در نہیں تھی۔ وہ ویسے بھی خولہ کی نظر سے دیکھنے کے مادی تھے۔



کلثوم کتنی روز سے بیمار تھی۔ اسعد کی شادی کی خبر نے اسے ادھ موار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ مٹی دروازہ صرلہ کرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ رعنا ایک ہی بہنوں سے نظر نہ اٹھاتی تھی۔ حوریہ کو لگ رہا تھا وقت دور نہیں ہے جب اس گھر میں خاتونے ران کر رہے خوں رشتوں کی بے حس تو اس نے دیکھ ہی ل

۴۔ روز پہلے پچاس میاں آئے تھے اور تو جیسے تھے۔ انہوں نے بے ہودہ کی ایک لفظ بھی نہیں مایا۔ لگے حوریہ کو توقع تھی وہ ان کی منیت ان کے اور اپنے بھائی بھائی کی زیادتی کی ضرورت انتہا پر تھی۔

حوریہ کو غیر ملکی زمانہ سے پہلا پہلا واسطہ رہا تھا جو اس کی حد سے بڑھی حساسیت کے لیے کسی بچکے سے نہیں تھا۔



از: حور کی بھانجی اور یو۔

بازار والے پورشن میں شادی کا روایتی ہنگامہ شروع ہو رہا تھا۔

اسعد کے سرسائی، مندی کی رسم کرنے آئے تھے۔ انہوں نے بجائے اور قہقروں کا ایک نہ رکھنے والا لہجہ تھا۔

ہم غولہ تھے ہم نے مانا ہم بھی واپسی کے لو لکھنا اور میرے کھڑے نیچے پاؤں پر منظر دیکھ سکتی تھی۔ اس شہین و شہر پر پاریسی لڑکی کو بھی جو ڈھونڈ رہے تھے بالی لڑکیوں کو بھی مقابلہ ہینے کی بار بار تائیدیں دی گئی تھیں۔

اسعد لان کی منہل دیوار کے ساتھ بنے آرائشی اپنے چہ بیٹھا ہوا تھا۔

ان سے نہیں ملا کے دیکھو یہ دھوکہ بھی کھا کے دیکھو لادری میں کیا چھپا ہے اس کا کھون لگا کے دیکھو ان لڑکی سے ایک لڑکے نے دھوکہ زبردستی لے لی اور اپنے سر کی آواز میں پوری قوت سے چیخا۔ ان سے نہیں ملا کے دیکھو یہ دھوکہ بھی کھا کے دیکھو ان کو مندی لگا کے دیکھو جیب ہلکی کر کے دیکھو

دوسرے بن کر جب آئیں! میکا کے بعد نہ دھوکا کے لکھو اسعد کا بیٹا تھکرا، چہرہ بہت پر سکون اور مطمئن لگ رہا تھا۔ کرے کرتا شہوار میں لمبوس وہ دروازہ کو اپنی رسائی سے بہت دور محسوس ہوا۔ وہ بیٹھ رہا۔ وہ مٹی سے حتی الامکان بچتے ہوئے ایک طرف بالٹھ کوٹنے میں لگ رہی تھی۔

کلثوم، رعنا اور حوریہ تینوں نیچے تھیں۔ کلثوم نے دروازے کے احساسات کے پیش نظر اسے ساتھ چلنے کے لیے نہیں کہا۔ بہت حوریہ نے دو تین مرتبہ ضرور کہا کہ ”آئی باپ بھی چلیں۔“ وہ تینوں بھی خوشی سے نہیں جاری تھیں۔ کلثوم کا منہ تھا کسی مقام پر بھی اپنی انا کا سر نیچے نہ ہونے دینا۔ مہلا کے تمہارے پچا پچا نہیں ہم اس لیے ان کی خوشی میں شریک نہیں ہوئے ہیں کہ مارے حسد کے بلل بہن کے ہیں۔ سورعنا اور حوریہ خاموشی سے کوئی بحث کیے بغیر ان کے ساتھ ہو گئی تھیں۔

دور گھر میں اکیلی تھی۔ قہقروں کے دہانے کا کیا کرتی جو خون ہوا یا رہا تھا۔ اندر کی مٹن سے گھبرا کر ہی وہ نیرس پہ آئی تھی۔

شامل سے رشتے کا چکر دو مارے کے اندر اندر ہی چلا تھا۔ وہ لوگ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک بھائی ابو غنیمت میں جاب کر رہا تھا۔ دوسرا کسٹم میں تھا، تیسرے کا اپنا بزنس تھا۔ بہنیں اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئی تھیں، صرف شامل کی بیٹی تھی جو خولہ چچی اور غزل کو جی جان سے پسند آتی تھی۔ اسعد نے بھی ہانپنے کی کاٹھمار نہیں کیا تھا۔

اس لیے جٹ منٹنی اور پٹنہ یا دالا حساب ہوا۔ دور کی آنکھوں میں رکاسیل رواں بننے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ اسعد کتنا خوش رک رہا تھا۔ اس نے بہت کے تھے لیے لیے ڈانٹا لگ بولے تھے، کیسے یہ دھوکہ نہ کیے تھے کیا کیا منصوبے نہ بنائے تھے۔ وہ دور کو جان چہل کتا تھا۔ مختلف موقعوں پر اس کے لیے گئے تحائف اس کی محبت اور جذبات کو ظاہر



کرتے تھے اس گھر میں ان کی محبت روان چڑھی تھی اور اب اسی گھر میں رہنے بسنے کے لیے شامل آ رہی تھی۔

کیا وہ اتنی مبارک ہے کہ اپنی نگاہوں کے سامنے شامل کو چلتا پھرتا ہنستا بولتا دیکھ سکے؟۔

”نہیں میں تو بہت کم بہت اور بڑی ہوں۔“ اپنی صفائی میں وہ کسی کے سامنے ایک لفظ تک نہ کہہ سکی۔ اپنے اوپر اگائے گئے اثرات کی تردید تک نہ کر سکی۔ بلکہ انہیں تو درد کیا کہ اس ہونے بھی شبہ تھا۔ کیا وہ اسعد کی بے وفائی کے بعد جی سکے گی؟۔ سر اٹھا کر ہلنے کی طرح وہ سروں کے ساتھ اٹھو سے بات چیت کر سکے گی؟ اس کے سامنے ان گنت سوالات تھے۔

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ سوئیرس سے اتر آئی۔ حوریہ رعتا اور امی کے آنے پہ وہ سوئی بن گئی۔ رعتا تو آتے ہی بستر پہ لیٹ گئی۔ حوریہ کپڑے بدلنے کے ساتھ ساتھ با آواز بلند پڑھا بھی رہی تھی۔

”کتنی نمائشی ہیں شامل صاحبہ کی والدہ اور بہن ہر چیز کی بڑبڑ کر قیمت بتا رہی تھیں اور کہانے میں گتے کپڑے لگا لے کہ حد نہیں اور اسعد بھائی کسے اپنی سانس صاحبہ اور سالی کی فٹیں کر رہے تھے پلنگہ کھانا کھا کر جائے گا کیسے بچے جا رہے تھے ان کے سامنے ابھی سے یہ جل رہے بعد میں کیا ہو گا۔ لکنا شامل صاحبہ خوب دھاک بٹھائیں گی اپنی۔“ حوریہ نہایت کبیہ خاطر نظر آ رہی تھی۔

”اگر امی کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی بھی نہ جاتی۔“ بارات میں تو میں نہیں جاؤں گی چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ ہم کیوں ان کی خوشیوں میں شریک ہوں جب انہیں ہمارے غموں کی پروا نہیں ہے۔ کسی نے نہیں پوچھا کہ تم کیا کھا رہے ہو کیا پین رہے ہو۔ یہ زندگی کی گاڑی کھینچ رہے ہو۔ جی چاہتا ہے قطار میں سب کو کھڑا کر کے کوئی سے اڑا دوں اور پھر۔“

”حوریہ! خاموش ہو جاؤ۔“ اس کا بانی کا جملہ ادھر اور رو کیا کہیے۔ کلثوم دردناک سے پہ کھڑی قمر آلود نگاہوں

سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”تم اتنی بدتمیز کب سے ہو گئی ہو۔ میں نے انہیں ہمیں بدتمیزی کا سبق کبھی نہیں پڑھایا۔ تمہاری زبان کیوں کھل گئی ہے۔ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اپنے خیالات کا یوں برلا اظہار کرتی پھو۔“ اس نے حوریہ کو بری طرح جھڑکا اور دردناک کر کے سو جانے کا حکم دے کر وہیں سے لوٹ گئی۔ حوریہ کو بہت غصہ آیا۔

ہم تو بھی بھرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدتمیز۔ کھل بھی کرتے ہیں تو چہ چاہیں۔ وہ آہستہ سے بڑبڑاتی۔

بستر پہ لیٹے ہوئے اس کی نگاہوں کے سر پہ اتر کر طرف اٹھ گئی۔ وہ سفید چادر سر پہ اڑھے ہوئے تھی۔ مگر چادر میں اس کا لرزنا بچتا وجود بہت کچھ سمجھا دے کے لیے کافی تھا۔

”آپ کے آنسو بہت قیمتی اور انمول ہیں۔ انہیں بے دردی سے اسعد بھائی جیسے کم ظرف شخص کے لیے مت لٹائیں۔ وہ آپ کے انمول جذبے کے قتل گاہ بنیں گے۔“ حوریہ سب کچھ درد کے سامنے کہنے کی بہت نہیں پڑی۔

بچے سے چکاولوں کی آوازیں ابھی تک آ رہی تھیں۔

”کیا ان خوشیوں، مسکراہٹوں پہ درد آپ کی ناکولی بن نہیں تھا۔“ وہ پھر سے سوتوں جوابوں کے بھنور میں ابھر اور ڈوب رہی تھی۔

اس گھر میں چار عورتیں تھیں اور چاروں اپنا اپنا سوچاں میں گم تھیں۔



نازش زبردستی سون کو بچے لے کر آئی تھی۔ اسعد کی ڈالمن آچکی تھی۔

مٹکے زیورات اور زرق برق عروسی جونے لگا۔ لمبوس کسی مٹکے پارلر سے بجی بجی دو دینے کے اٹھ لگ رہی تھی۔

درد نے اسے حسرت سے دیکھا۔ اس کے کٹاؤ دار ان کا غم اس کی ران جس کی مانند لمبی سفید گردن میں لپٹا جڑاؤ گھونڈہ اس کی کلاہیوں میں بجی چوڑیاں۔ اس کی لمبی چمکوں والی شرتی آنکھیں اور پھر اسعد کی بار بار جھنجھٹاؤ سب کی بار بار کر رہی تھیں کہ یقیناً اس کی وہ لڑکی ہے جسے پہلی بار چھو کر اسعد کے دل میں لپٹی شرمندگی پچھتاوا اور احساسِ زیاں نہیں آتا۔

اور غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹتے دہلیز سے لپٹا۔ انداری میں اسعد کے دیئے گئے تمام تحفے ارادہ سوکھے پھول، ڈائریاں اور دوسری چیزیں اس نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے سب بند باہر لٹکا دیا اور ایک ایک کر کے اسعد کی دی گئی بری لٹائیاں اس نے ایک جنون کے عالم میں تباہ کر دیں۔

”جب تم میری قسمت میں نہیں تو تمہاری ڈالمن کس لیے سنبھالتی پڑو۔“ کرسٹل کا نازک ماتن کل زمرہ دوس ہو چکا تھا۔

حوریہ نے دوسرے کمرے کی کھڑکی سے سب کچھ دیکھا۔ مراد نے نہیں آئی۔ اچھا تھا کہ درد خود کو سنبھال لیتی۔



بالوں کی موت کے بعد آج کلثوم پہلی بار آئینے کے سامنے آئی۔ نہیں پاؤں لگانے کے بعد اس نے سینٹ لپ اسٹک ہونٹوں پہ اچھی طرح جھلکی وہ ایسے طریقے سے ڈالمنس اپ ہو کر باہر آئی تو سب سے پہلے رعتا نے موت سے دیکھا پھر حیرت کی جگہ آنسوؤں نے لے لی۔

”میں تمہارے ابو کے آفس جا رہی ہوں تم سب کو وائس سے مرادو کھنا میرے بس سے باہر ہے۔“ کلثوم اہل بے اثر سا تھا۔

دردناک درد کے انتظار میں تھی جو تمہاری تھی۔ اور ابھی تک سو رہی تھی۔ درد کے ہاتھ روم سے اٹھ کر رعتا سے اسے یہ خبر سنائی۔

باب کے مرنے پہ ان تینوں بہنوں نے مل کر روتے نہیں دیکھا تھا نہ حیات کا شکوہ اس کے لبوں پہ آیا۔ درد کا رشتہ ٹوٹا رعتا کے سر والوں کی طرف سے انکار ہوا پھر بڑے بچا جو عرف نام میں پچاسیاں کھلاتے تھے انہوں نے بھی کاشف کے خٹے میں چپ سا بھل لیا تھی۔

لن تمام باتوں کے باوجود انہوں نے کلثوم کی زبان سے کسی کی برائی نہیں سنی۔ نہ اس نے کسی سے لڑائی کی حالانکہ بیٹیوں کا معاملہ اتنا نازک ہوتا ہے کہ اپنے بھنے کمزور اور شریف لوگ بھی منہ کھولنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔

اب پتا نہیں کلثوم کا حوصلہ زیادہ تھا یا کمزور۔ کچھ ہی دن کے بعد سارے بڑے مع شریفل اسعد اور حنین ابھی لن کے گھر آ گئے۔

رؤف بچانے کر کہتے ہیں میں پوچھا۔

”تمہاری میں کھل گئی ہے؟“

کلثوم اسی وقت واپس لپٹی تھی اس نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں سوال کے بدلے میں سوال کیا۔

”آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”بہت خوب بھابھی صاحبہ! ہم کون ہوتے ہیں؟“ بڑے پچاسیاں کا لہجہ طنز تھا۔

”آپ بتائیں نا آپ کون ہیں۔ ہمارے گھر فاقوں کی نوبت آنے والی ہے ہمیں نے اگر نہیں پوچھا اگر آپ واقعی بائبل کے کچھ ہوتے تو اگر یہ سوال نہ کرتے میں بلال کے آفس مینی تھی نوکری کی تلاش میں۔“

”آپ تم نوکری کرو گی؟“

”جی ہاں ہر طرف سے مجبور ہونے کے بعد میں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ مجھے بیٹیوں کی شادی کرنی ہے۔ پیٹ کا ایندھن بھرنا ہے۔ کون لن کے سر پہ ہاتھ رکھے گا۔“

”مگر تم نوکری کرو گی؟ ہمارے خاندان کے لیے یہ بڑی بے عزتی کی بات ہے۔“ پچاسیاں کے لہجے میں اب تیزی نہیں تھی۔

”ہم مری جائیں، میری بیٹیاں بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو جائیں، کوئی انہیں اپنا نہیں کا احساس دلانے والا نہ ہو، یہ بے عزتی نہیں ہے؟“

”مگر لوگ کیا کہیں گے، ہم کیسے دنیا والوں کا سامنا کریں گے؟“

”اگر آپ میری بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں بنا لیتے تو میں کبھی بھی گھر سے باہر قدم نہ نکالتی۔ اب یہ میری ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی۔ میں کوئی ڈاکے تو نہیں ماروں گی، محنت کروں گی۔“ کھٹوم کا لہجہ بہت سرد اور سخت تھا۔ وہ سب ایک دوسرے سے نکالیں پھرانے لگے اور ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ کھٹوم نے ان کے جانے کے بعد منہ ہاتھ دھویا، کپڑے تبدیل کیے اور تین بیٹیوں کو اسٹیناس بٹھایا۔

”میں آج تمہارے ابو کے آفس گئی تھی۔ سلیم گیا، بیٹی جو ہمیں کے مالک ہیں، کل ہی باہر سے لوٹے ہیں۔ میں نے انہیں تمام حالات بتائے اور تمہارے ابو کی خدمات کا حوالہ دیا۔ سلیم صاحب بہت رحمدل اور نیک فطرت کے مالک ہیں۔ بیٹی الحاصل انہوں نے مجھے نیلی نون آپریٹر کی جاب آفر کی ہے۔ پر الی آپریٹر کی شادی ہونے والی ہے، وہ آفس چھوڑ جائے گی۔ ابھی کچھ دن میں کام سیکھوں گی۔ سلیم صاحب نے کہا ہے کہ بیٹی الحاصل مجھے پانچ ہزار ما کر میں گے، بعد میں جب میں کام سیکھ لوں گی تو تنخواہ بڑھ کر دی جائے گی اور پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی ہوگی۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”مگر امی! آپ کیوں محنت کریں، ہم بیٹیوں کا تعلیم یافتہ ہیں۔ ورنہ آپ کو کسی اسکول میں نوکری مل سکتی ہے، رونا آپ نے بیٹی اے کر رکھا ہے، ان کی جگہ بھی نہیں نہ کہیں کل اے گی اور استقامت کے بعد میں بھی اخبار خوان کروں گی، بلکہ روزنامہ پڑھنے کے لیے بیٹری سے کہہ رکھا ہے، میں پچھرا ستر کے طور پر اب بھی کام کرتی ہوں، کیونکہ اخبار میری دوست امیر کے والد کا ہے، آپ کیوں نوکری کی بجائے مانگتے جائیں۔“ حور یہ کالہ جڈبالی اور پر جوش تھا۔

”تمہارے ابو اگر ہوتے تو کیا تمہیں نوکری مل دیکھ کر خوش ہوتے؟ تمہارے کول سے ہر وہ نوکری کی شدت اور مسائل کی دھوپ کو برا سمجھ کر سکیں گے اور کیا خود مجھے اچھا لگے گا؟ آئندہ بھلا کر بھی نوکری کا نہ سوچتا۔ تم اپنی تعلیم پڑھو، تمہاری چھ ماہ کی فیس بھی جمع کروانا ہے، اس کا اہتمام بھی کرنا ہو گا۔ میری زندگی کا نصب العین ہی یہی ہے کہ تم تینوں جلد از جلد اپنے گھروں کی ہو جاؤ۔“

”آپ ہماری شادی کی فکر میں خود کو تیار کر لیں گی۔ شادی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔ بہت سی لڑکیاں شادی نہیں کرتیں تو کوئی قیامت تو نہیں آجاتی۔ تو وردہ بھی۔ ہمیشہ کی نرم زبان، دیکھتے ہی دلے والی وردہ اور وقت بہت بخور رہی تھی۔ کھٹوم نے اس کا سامنا کیا، چہرہ پر پھر عطر اور حوریہ کی طرف رخ موڑ لیا۔

”شادی کے بعد عورت محفوظ ہو جاتی ہے، اسے ایک مرد کا سہارا حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک گھر ہو، اسے اس کی زندگی مکمل ہو جاتی ہے۔“ کھٹوم نے یہ بات بولی تو وردہ ”ہو نہ“ کہتے ہوئے بولیں سے اٹھ گئی۔

یہ ایس ایم برادر زادوں کا شاندار دفتر تھا۔ سلیم کیلانی نے بیل بجا کر کھٹوم کو طلب کیا۔

وہ سر پہ دوپٹہ درست کرتی ٹکڑی کا بھاری اوراد کھول کر اندر داخل ہوئی۔ شاندار سی سالوں کی لگائی کی میز کے دوسری طرف رہا اونگہ چیئر پہ سلیم کی ایک فائل۔ جھٹکے ہوئے تھے کمرے میں اسے کی کی ڈنگلی بڑی بھلی محسوس ہو رہی تھی۔

”سر، آپ نے بلوایا ہے؟“ وہ خطرناک بولیں۔

سلیم کیلانی کے بارعب سر پہ کو دیکھ رہی تھی۔

”ہاں، بیٹھ جائیں آپ، آپ کو اس لئے بلوایا کہ میں نے آج سے آپ کی جاب پی کر دی ہے۔ آپ کی تنخواہ اب آٹھ ہزار ہو گئی ہے۔“ اپنی دانہ میں وہ اسے خوشخبری سن کر لب اس کے ماتراہہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ کھٹوم نے بٹھل

”ہاں کاہا۔“ حلق سے اتار اور مار مل ہوئی۔

”تھکناک یو سر!“ وہ بھی کہہ سکی۔

”اس میں محنت ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ آپ کو بطور سیکریٹری انٹرنٹ کر لوں کیونکہ آپ کی انگریزی بہت اچھی ہے، انہیں سے پڑھا ہے آپ نے؟“

”سر! میری شادی بہت کم عمری میں ہوئی تھی۔ لہذا کے بعد میں نے گریجویشن کیا۔ اس سے پہلے میں نے اے لیول کیا تھا۔“ کھٹوم نے بتایا۔ اس دوران نیم کیلانی نے چہرہ اس کی دو کپ کالی لانے کو کہا۔

چہرہ اس نے کچھ دیر بعد ٹرے لے کر سامنے بٹھل پڑھی۔ ایک کپ خود اٹھا کر سیم صاحب نے دوسرے آپ کی طرف اشارہ کیا تو کھٹوم نے لے لیا اور بٹھکے۔

”آپ کی تین بیٹیاں ہیں؟“ سلیم صاحب بڑے بے تکلف مڈ میں نظر آ رہے تھے۔

”ہاں، تین ہیں۔“

”تین سر! بڑی دونوں تو نعیم محل کر کے گھر میں رہتی ہیں، چھوٹی بیٹی آرزو کر رہی ہے۔“ اس نے نیلی سے بتایا۔

”میرا تو خیال تھا کہ آپ کی بیٹیاں چھوٹی ہوں گی، یہ تو آپ خود اتنی بیک نکلتی ہیں۔“ نہ جانے یہ تریف تھی یا کچھ اور۔

”سر! اب میں جاؤں؟“

”جی۔“ وہ دوبارہ فائل میں مگن ہو گئے تھے۔ کام انجام دیکھ کر تھیں مگر توجہ طلب ضرور تھا۔ نوے پانچ پچھتے تک آفس ختم تھا۔ چوبیس بجے تک وہ گھر پہنچ جاتی تھیں۔ وردہ، رونا اور حوریہ تینوں میں کے انتظار میں ہوتیں۔ ان کے آنے کے بعد ہی چائے پی جاتی تھیں۔

خانہ ان بھر میں کھٹوم کی نوکری کے بعد انہوں کا نسب بدھ رہا تھا، انہوں کسی بات کو بھی خاطر میں نہیں

اداری تھی۔

صبح جب وہ تیار ہو کر آفس کے لیے نکلتی تو دونوں بھابھیاں اپنے تمام کام اور حور سے چھوڑ کر اسے دیکھنے کھڑی ہو جاتیں۔

”بے حیائی ہے، بے حیائی۔ کیا زمانہ! کیا ہے بلال بھائی کے مرنے کے بعد کھٹوم کتنے وحشیانہ سے میک اپ کر کے نکلتی ہے۔“

”ہاں خول بھابھی! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کھٹوم نے شوہر کی موت پہ ایک آنسو تک نہیں بہایا۔

حالانکہ اپنی مرضی سے ماں باپ کی مخالفت مول لے کر بلال سے شادی کی تھی۔ کیا ہوئی اب وہ محبت مجھے نہیں ہے کھٹوم نے آفس میں ہی کوئی اور حور بن لیا ہو گا، تب ہی تو اتنا بن نہیں کر جاتی ہے۔ ترس کھا کر کوئی بوڑھی تو نوکری نہیں دے رہا۔ پھر کھٹوم کو کس بات کا تجربہ ہے جو اسے جھٹ پٹ نوکری دے دی گئی ہے۔“ یہ میرا بھابھی کے بیٹے تھے۔

”کھٹوم کو کسی اور کام کا تجربہ ہونہ ہو، ادا نہیں دیکھنے کا تجربہ ضرور ہے۔ اداؤں سے کھانل ہو کر ہی تو باہل مرنا تھا۔ بیٹیاں بھی ہو، وہیں کے نقش قدم پہ چل رہی ہیں۔ وردہ نے تو بڑی کوشش کی، بعد کو بھانسنے کی۔ مگر شکر ہے میرا بیٹا وقت پہ ہوش میں آ گیا۔“

”ہاں خولہ! سن! انھیں کہتی ہو۔ شکر ہے میں اپنے کاشف کا رشتہ لے کر نہیں چلی گئی۔“ حیرانہ بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

اسعد اپنی نئی نوٹی دولہن کی ناز برداری میں مگن تھا۔ شادی کو ڈھائی ماہ سے زائد ہو چکا تھا۔ شائیں ابھی تک گھوٹے پھرنے کے موڈ میں تھی۔ جوں ہی اسعد آفس سے لوٹا وہ سچ سنو کر تیار بیٹھی ہوتی۔ دونوں تھوڑی دیر بعد گھوٹے پھرنے لگتے جاتے۔ شامل اپنے میکے میں بڑی ادا تھی۔ سب بھائی، سہیلی سے چھوٹی تھی اس لیے تک چڑھی اور منہ زور کی تھی۔ وردہ اور اسعد کا سابقہ رشتہ کسی مصالحت کے تحت اس سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ رنہ شاید شامل اسعد کا جین اجیرن



کر دیتی کہ تھکے ذرا اور اسی بات کو بنیاد بنا کر اس سے روٹھ جاتی اور لڑنا شروع کر دیتی۔ وردہ اس حد کی شادی کے بعد لڑنے کے پورے دن میں نہیں گئی تھی۔ البتہ شامل کئی بار ادھر آچکی تھی۔

وردہ کو چند ملاقاتوں میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ شامل بہت بچکانہ مزاج کی مالک وہی سی خود کو بہت اونچی شے سمجھنے والی لڑکی ہے۔

خوریہ نے تو برائی رہنمائی کے تحت شامل کو زیادہ لگت نہیں کروائی البتہ وردہ اور رعنا خوش اخلاقی سے پیش آتی تھیں۔ کلثوم کا انداز بھی محبت بھرا ہوتا۔ خود شامل کو یہ لوگ بہت اچھے لگی تھیں۔ وہ شانہ بھوری کبھی کی تعریف کرتی تھی مگر ان سب کے لیے کئی بار متاثر کن جملے اس کے لبوں سے ادا ہوئے۔

"وردہ شاہی کباب اور بیانی کتنی اچھی بنتی ہے۔"

"خوریہ کتنی ذہین ہے، رعنا سلیم میں بھی کتنی اچھی لگتی ہے اور آئی کلثوم کتنی بیک اور اسارت لگتی ہے۔" یہ اور اس نوع کی مٹی باتیں تھیں جو وہ وقتاً فوقتاً اس حد کے آگے بھی دہرائی تو وہ نگاہیں چرایکت۔

\*\*\*

ڈورنٹل تو اتار سے بچ رہی تھی۔ وردہ نے رنگ سے جھک کر نیچے دیکھا۔ گیت پہ کریم کلر کی شیراز کی جھلک نظر آئی۔ گھر میں صرف رعنا اور وہ تھیں۔ خولہ اور حمیرا بازار گئی ہوئی تھیں۔ شامل اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اور بھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

رعنا دلی نکا رہی تھی۔ اس کا نیچے جا کر گیت کھولنے کا بالکل بھی ہل نہیں چلا رہا تھا۔ رعنا کے کہنے پہ اسے یہ ناکوار کام سرانجام دینا پڑا۔ اس نے جینکے سے گیت کالا کھولا تو کھلی سرٹ اور پتلون میں لمبوس لوجوان خنجر نگاہوں سے اندر کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"شکر ہے وردانہ کھانا تو درندہ مجھے تو شک ہو چلا تھا کہ شاید یہاں رہنے سے نواسے سرے ہیں۔" خود اردو نے بڑے آرام سے لطیف انداز میں چوٹ کی تویہ نظر انداز کر گئی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟۔ اس وقت کوئی ہی نہیں۔ نہیں ہے۔ آپ نے ناحق آنے کی زحمت کی۔"

ایک ہی سانس میں بول گئی۔ لہجے میں خود بخود ہی کئی بھی در آئی تھی۔ وردہ کو احساس ہوا کہ وہ خود ان اس حد بڑے غور سے دیکھ رہا ہے تو وہ جیسپ سی گئی۔

"میں انصر حسن ہوں شامل کا چھوٹا بھائی۔ اصل میں امی نے مجھے بھیجا تھا کہ شامل کو حقیقہ کا دعوت نامہ دے آؤں۔" اس نے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے وضاحت کی تو وردہ یہ کہتے ہوئے وہیں سے مزگنی کہ "شامل اپنے کمرے میں ہے۔"

وہ تیز تیز میز حیاں چڑھتی لوہر چلی گئی۔ شامل کے چھوٹے زادے اس کا خوش اخلاقی برتنے کا بالکل بھی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ انصر حیران سا چلے گیت سے ایسی دیکھا رہا تھا۔ خولہ اور حمیرا اسی وقت نیکی سے ان کے دونوں ہاتھ اچھی طرح جانتی تھیں۔

"بھئی! یہاں باہر کیوں کھڑے ہو۔" سلام دعا کے بعد وہ صحت سے بولیں تو انصر کئی پہلا کہہ دے۔

"آپ کے یہاں سہانوں کو گیت سے ہی جھلا دیا جاتا ہے۔" پھر جس طرح یہ بد مزاج حسینہ تیز رفتاری سے میز حیاں چڑھ کر گئی تھی جیسے وہ اندر آیا تو اسے چائے پانی کا پوچھا پڑ جائے گا۔ انصر صرف سوچ ہی سکتا۔

دونوں خواتین کی ہمراہی میں وہ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھا تو اسی وقت شامل کو جنگلیا گیا۔ انصر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ انصر نے حمیرا کے ساتھ کلثوم کا بھی دعوت نامہ دیا۔

اس کی امی نے اسے تین کارڈ دیے تھے کہ شامل کی سسرال میں الگ الگ تینوں گھروں کو دینے ہیں۔ انصر کے بڑے بھائی کے بیٹے شانی کا عقیقہ تھا اسی سلسلے میں وہ شامل کی سسرال آیا تھا۔

"پلیز آپ سب آئیے گا امی نے بطور خاص مالک کی تھی۔" جب وہ واپسی کے لیے اٹھا تو ایک ہار پھر یاد پائی کروائی۔ حمیرا کو اس کی سعادت مندی پہ بڑا ہوا تھا۔

"انتنا خوش اخلاق لڑکا ہے۔"

"ہاں سچے ہوئے خاندانی لوگوں کی اولاد ہے۔"

انہوں نے حمیرا کی تائید کی۔

اس کے جانے کے بعد کلنی دیر تک دونوں خواتین کے درمیان موضوع گفتگو بنا رہا۔ انصر کا دل چلا رہا تھا کہ شامل سے اس گیت کھولنے والی لڑکی کے بارے میں پوچھ کر حمیرا اور خولہ کی موجودگی کی وجہ سے وہ لاپرواہ رہا۔

"رہتی تو اسی گھر میں ہے سسرال انصر حسن! آخر تم کیا ان کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" اس نے مل میں خود کو ملامت کی اور پوری توجہ سامنے نظر آئے والی سیاہ کوٹار کی سڑک کی طرف مرکوز کر دی۔

شامل انصر کے جانے کے بعد کلثوم کی طرف آئی۔ رعنا اور وردہ ابھی ابھی کھانا کھا کر فاسح ہوئی تھیں۔

"ہو سکتا ہے یہ میرا دم ہو یا مجھے ملنا نہیں ہوئی ہو۔" نامہ اب کے تعلقات دونوں گھرانوں کے ساتھ کشیدہ ہیں۔ شامل اتنے دنوں سے جو کچھ محسوس کر رہی تھی آج اس کا برلا اظہار کر دیا تو دونوں اپنی جگہ چوری ہو گئیں۔

"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں ہم شروع سے ہی اوپر رہتے آئے ہیں۔ ہار بار بار حیاں اترنے چڑھنے کی عادت نہیں ہے بلکہ "وردہ" نامہ اطمینان بود اور بے وزن ساتھ ساتھ یہ بھی غنیمت تھا شامل نے زیادہ حیاں نہیں دیا۔

"اچھا میں یہ دعوت نامہ دیتے تکی تھی۔ انصر کو دیر اور ہی تھی وردہ خود آکر دے۔ میرے کزن کے بیٹے کا جبکہ ہے آپ سب کا بھی بکلا آیا ہے۔ وردہ اتم ضرور آئے۔" شامل بڑے خلوص سے بولی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"آئی آئی تو دیکھتے ہیں وہ کیا کہتی ہیں۔" رعنا بہت سے بولی تو شامل مصنوعی غصہ سے اسے گھونٹنے لگی۔

"آئی سے میں خود بات کر لیں گی، خبردار کوئی انکار

نہیں چلے گا۔" وہ مندی لہجے میں بولی تو رعنا شرمندہ سی ہو گئی۔

"میں اب چلتی ہوں، آئی آئی میں گی تو میں پھر یاد دہانی کروانے آؤں گی۔" رعنا اور وردہ اس کے جانے کے بعد اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئیں۔

\*\*\*

رعنا کی بات سن کر کلثوم کلنی دیر چپ رہی۔ شامل کے کزن کی طرف سے دعوت نامہ آنے کے بعد وہاں جانے یا نہ جانے کا مسئلہ بڑا غور طلب تھا۔ پھر جانے کا فیصلہ ہو گیا۔

"تم دونوں بہنیں چلی جاؤ میری آغوش کو لیک کی اپنی گاڑی ہے، تمہیں چھوڑ آئے گی۔ میں تو نہیں جاسکتی چھٹی کرنا مشکل ہے کیونکہ کلم بہت زیادہ ہے۔ اگر شامل کا ہم سچ میں نہ آتا تو میں تمہیں کہیں بھی جانے کا نہ کہتی کیونکہ وردہ کی وجہ سے مگر اب۔ بہتری اسی میں ہے کہ سب کچھ فراموش کر دیا جائے کیونکہ تکلیف دہ یادوں کو بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے قدرت کی مشیت یہی ہو۔ جب اللہ ہم سے کوئی ہماری پسندیدہ چیز لے لیتا ہے تو بدلے میں اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے ابھی تمہیں میری بات سمجھ میں نہ آئے۔ چند برس گزرنے کے بعد ہم اس بات کو جان سکیں گی۔" وردہ کو شرمندگی سی ہوئی۔ کلثوم یوں تھی تب ہی تو اس کے دل کی کیفیت سے آگاہ تھی۔

"وردہ! میرا مشورہ یہی ہے کہ اس حد سے وابستہ ہر آدم کو کھینچ دو، بھول جاؤ اسے۔" ایک بار پھر اس پہ گھڑول پانی پڑ گیا۔

"آئی! میں حقیقہ میں نہیں جاؤں گی۔"

"یہ میرا حکم سمجھ لو یاد درخواست کہ تم ضرور جاؤ گی۔ تم دنیا کو باتیں بتانے کا موقع مستعد۔ تم سب کو بتا دو کہ تم کسی سے حسد نہیں کرتیں۔ وسیع ظرف کی مالک ہو۔" کلثوم کا انداز نامحانہ تھا۔

وردہ بار بار گئی۔ "اچھا! جیسے آپ کی مرضی۔" سب

کی بار اس کا بوجھ تھا کتنا سا تھا۔  
 رعنا تو کلثوم کی کسی بات سے بھی انکار نہیں کرتی تھی سو اسی وقت اپنے کپڑے استری کرنے لگی۔  
 شامل کل بار اور آکر پوچھ چکی تھی کہ کب تک تیار ہو جاؤ گی۔ لیکن کلثوم نے اسے سہولت سے انکار کر دیا۔  
 "مگر آئی! میں اور اسعد ہی گاڑی میں ہوں گے" وہیں دو تین افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود ہے پھر آپ کیوں غیریت برت رہی ہیں۔" شامل نے ناراضی سے کہا۔  
 "نہیں بیٹی! ایسی کوئی بات نہیں ہے میں اسعد کو کل ہی درہ اور رعنا کو لے جانے کے لیے کہہ چکی تھی اب اگر عین وقت پہ انکار کر دوں تو اسے کتنا برا لگے گا۔"  
 "ابھا ٹھیک ہے" آتے ہوئے یہ ہمارے ساتھ آئیں گی۔" اس نے پھر انہیں مشکل میں ڈال دیا۔  
 ناچار وہ سر ہلا کر رہ گئیں۔  
 درہ تو ایک بالکل اجنبی گھریلو لوگوں کے درمیان خود کو بہت نزدیس محسوس کر رہی تھی۔ رعنا کی بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔  
 شامل ان دونوں کو انفرادی فخر کی امی کے پاس لے آئی۔ سفید ساڑھی میں لمبوس ہنس کھ سی خاتون رعنا کو بہت اچھی لگیں۔  
 "پھوپھو! یہ درہ اور رعنا ہیں، میری مندریں سمجھ لیں مگر مجھے سنوں کی طرح لگتی ہیں۔"  
 "رعنا بیٹی کو تو میں نے تمہاری شاہی والے دن دکھا تھا مگر وہ بیٹی سے میں پہلی بار مل رہی ہوں۔" ماشاء اللہ بڑی پیاری بچیاں ہیں۔" وہ دونوں سے باری باری گلے ملیں اور پھر کلثوم کا مختصر "حل احوال پوچھ کر دیکر ملنے والوں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔  
 رعنا اور درہ شامل کے ساتھ ہی ایک صوفے پر بیٹھ گئیں تب ہی انہرؤ پر سادہ شللی کو گوشتیں اچھا اندر چلا آیا۔  
 "کبا! آج تو بڑے بڑے مہمان آئے ہیں" انہر

کی آنکھوں میں اپنائیت کے بہت سے رنگ بنے۔  
 وقت اترے تھے۔  
 "ادھر میرے پاس بیٹھو ذرا تمہاری خبر تو لوں۔ اس دن بغیر کھانا کھائے اٹھ آئے میں سخت ناراض ہوں تم سے۔" شامل نے بڑی بے تکلفی سے اس کا بازو اپنی طرف کھینچا تو وہ شللی کو گوشت سے اتار کر اس کے پاس ٹھک گیا۔  
 "پہلے مہمانوں کا تحارف تو کرو۔" وہ کن انکھوں سے درہ کی طرف اشارہ کر کے بولا تو شامل اس کی شرارت بھانپ گئی۔  
 "یہ درہ ہے اور یہ رعنا۔ دونوں بہنیں ہیں اور اسعد کی گزند ہیں۔ بس یا کچھ لو۔"  
 "ٹھیک ہے" ٹھیک ہے اور پلیز! تمہاری اہلی بزرگ بھی نہیں اپنا گھر ہی سمجھیں۔" اس کا دل بھریا۔  
 "خمن درہ کی طرف تھا وہ اس کی نظروں سے انہیں محسوس کرنے لگی تھی اس لیے رعنا کی اوت میں ہو گئی مگر وہ کسی اتھا کر اس کے سامنے براجمن ہو گیا۔  
 "میں درہ اور رعنا! آپ کے کیا شامل ہیں؟"  
 "کچھ بھی نہیں۔ بس گھر ہی ہوتی ہوں۔"  
 کے بجائے رعنا ہی بولی۔  
 "میں درہ! آپ شاید بولنے کے معاملے میں منہ سنبھالیں۔" وہ مسکراہٹ لیوں میں دبا کر سچید کی سے بولا تو شامل کو درہ کی گھبراہٹ پہ ہنسی آئی۔  
 "تم کیوں تنگ کر رہے ہو اسے؟"  
 "یہ الزام ہے مجھ پر۔ سراسر الزام میں اسے نہیں ماننا۔" وہ احتجاج کرنے لگا۔  
 تھوڑی دیر بعد کمرے میں کچھ اور مہمان لڑکیاں آئیں تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تب کہیں جا کر درہ کی جگہ چھوٹی۔  
 مگر جب کھانا لگا تو وہ پھر اس کے پاس آ گیا۔  
 "یہ برائی اور کباب بھی لیں نا آپ کی پسندیدہ بالکل خالی ہے۔ صرف سلاہ کھا کر جائیں گی۔" اس نے خود اس کی پلیٹ کنارے تک بھر دی۔ وہ نہ بکلا رہی۔  
 "خامن" جین بتائیں۔ ذرا دوسری خواتین کی ہاتھوں کی طرف دیکھیں۔" وہ اسے دیکھ کر رو گئی۔  
 "تم آپ کی طرح بے مروت نہیں ہیں کہ مہمان کو منی خولی سلاہ دیں ہو اپنی یہ۔" وہ مزے سے اس روزہ ان بات یاد دلایا تو درہ دعا کرنے لگی کہ جلد از جلد اس گفت سے جین بچوئے۔  
 اسعد تو شامل کو وہاں چھوڑ کر کچھ دیر بعد ہی اٹھ آیا۔ اسے ایک دوست کو دیکھنے جانا تھا جو ایک سیریس لہکسٹنٹ کے بعد ہسپتال میں ایڈمنٹ تھا۔ گاڑی کی روئے لے گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے شامل کو فون کر کے کہا تھا کہ وہ سڑ سے کسی کو ساتھ لے کر گھر چلی جائے وہاں ہسپتال میں ہی رہے گا۔  
 شامل نے انہر سے کہا۔ "میں چھوڑ دوں۔" تو وہ دل جین سے راضی ہو گیا۔  
 "پاؤ درہ اور رعنا! پھوپھو سے مل کر آتے ہیں۔" خواتین کے جمرٹ میں کھڑی درہ نے پھوپھو کی طرف برہہ گئی۔ وہ خود انہیں گیت تک چھوڑنے لگی۔ درہ نے اب چھوڑ دوڑے ہی تھی جس نے سر سے لے کر پاؤں تک اس کے حساب سرانے کو مطالبہ لیا تھا۔ انہر کو اس کے چادر اوڑھنے کا انداز بہت پسند آیا۔ وہ پچھلی طرف سے گھوم کر ذرا نیچے بیٹھ گیا۔  
 "موسم ستاؤ خوبصورت ہو رہا ہے نا۔" وہ کسی کو بھی مطالبہ کیے بغیر بولا تو شامل نے اسے جیسے چوتھوں سے چھوڑا۔  
 "آئی خمن اور جین ہو رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو۔" وہ درہ خوبصورت سے مذاق اچھا کر لیتے ہو۔  
 "تھینک یو" تھینک یو۔ پتا ہے باہر کے موسم کا فتنہ بلی سے ہوتا ہے۔ دل کا موسم اچھا ہو تو باہر کا موسم خود بخود اچھا لگنے لگتا ہے۔  
 "اور یہ بلی کا موسم کب اچھا لگتا ہے؟"  
 "نہی اچھی صورتوں کو دیکھ کر دل کا موسم ویسے ہی اچھا ہوتا ہے۔" ان دونوں کی نوک بھونک جاری تھی۔ درہ بالآخر انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی

تھی۔ انہر نے کیسٹ پیئر لگا دیا۔ شامل سیٹ کی پشت سے ٹپک لگائے لو کچھ رہی تھی۔ رعنا دونوں ہاتھ گود میں رکھے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کی طرف جی جین سے متوجہ تھی۔  
 بے قراری کیوں ہو رہی ہے کتنا چاہوں میں سن لے کوئی ذرا رو خود بھی تنگ رہا تھا۔  
 گھروں کی سڑک پہ جو نئی گاڑی مڑی درہ نے شکر ادا کیا۔  
 "واپس کب جا رہے ہو؟" شامل نے سر اٹھا کر انہر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 "پرسوں کا مو پینج کر جو اننگ رپورٹ دینا ہے۔" اس کا ہشاش رشاں سوڈیا سمیت زور بولا۔  
 "کیچن صاحب! کل رات زور ہمارے ساتھ کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔"  
 "ٹھیک خیال ہے۔"  
 "تو آؤ گے؟"  
 "سر کے مل آؤں گا۔" وہ پھر سے خوش ہو گیا۔  
 گاڑی رکھتے ہی درہ اپنی چادر سنبھالتی چھاپک سے گیت سے اندر چلی گئی تو درہ رعنا سے شاکی لہجے میں بولا۔  
 "آپ کی بہن کتنی بد اخلاق ہیں شکریہ بھی ادا نہ کیا۔" وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہو گئی مگر اخلاقیات نبھانے کو خوش دلی سے بولی۔  
 "اندر آئیں انہر بھائی! چائے پی کر جائیے گا۔"  
 "نہیں شکریہ۔ چائے لوہا رہی۔ ویسے آپ کا بھائی کتنا مجھے بہت اچھا لگا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوا اگر آپ بھائی کہنے کے ساتھ ساتھ مجھے بھائی سمجھیں بھی۔"  
 "کیوں نہیں انہر بھائی! آخر آپ اندر تو آئیں! ای آپ سے مل کر خوش ہوں گی۔"  
 "اگر آپ زور دے رہی ہیں تو میں آجاتا ہوں" کیوں شامل صاحب!"  
 "ہاں ہاں بالکل۔ مجھے تو یہ پوری ذمیل ہی بہت پسند ہے صاف کو اور سلاہ لوگ ہیں۔ کپڑے بدل کر

میں بھی آ رہی ہوں۔ ورنہ کے ہاتھ کی بنی جائے پینے کا مڑائی کچھ اور ہے۔

"تو ٹھیک ہے میں بھی یہ چائے پی کر دیکھتا ہوں۔"

رعنا کے پیچھے پیچھے وہ بھی لوہا لیا۔ رعنا نے کھٹوم سے تحائف کر دیا۔ حوریہ اندر کمرے میں تھی۔ کوازن کروہ بھی باہر آئی۔ خوش پوش اور اسارت سے انحر کوہ اسعد کی شادی پر دیکھ چلی تھی اس لیے ہمارے ساتھ سے سلام کر ڈالا۔

وہ شامل اور اس کے پورے خاندان کو درود آتی کی خوشیوں میں رکھتے تصور کرنے لگی تھی۔ حالانکہ بے چاری شامل کا اس قصبے میں کوئی کردار ہی نہیں تھا جس کی بنا پر حوریہ اسے تصوروار سمجھتی تھی۔ ورنہ کپڑے بدل کر چائے پی رہی تھی۔

اسے رعنا پر بہت غصہ آ رہا تھا جو انحر کوہ اندر لے نکلی تھی۔

اس نے چائے کے ساتھ کچھ لسنکس رکھے اور رعنا کو آواز دی تاکہ وہ ٹرے لے جائے۔ انحر چائے پینے کے بعد بھی کچھ دیر تک بیٹھا رہا اس دور ان کھٹوم اس سے رسمی سی گفتگو کرتی رہی پھر شامل کے ساتھ اس نے نیچے کا رخ کیا۔ جہلی اس کی خاطر مدارت کے لیے نئے سرے سے اہتمام ہو رہا تھا۔

"مجھے تو دال میں کچھ کلا لنگ رہا ہے۔" شامل نے اسے نولتی نگاہوں سے دیکھا تو بہت جلد اس نے ہار لیں۔

"شامل! یقین کرو مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے اس لڑکی نے مجھ پر جلوہ کر دیا ہے۔ میں مسرور ہو گیا ہوں۔ صرف چار دن میں میرا یہ حال ہے۔" آئندہ جانے کیا ہو گا۔

"کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟"

"نہیں! جھک مار رہا ہوں۔ ہموٹ بول رہا ہوں۔"

وہ جل کر بولا تو شامل نے لہندی سانس بھری۔ "تمہارے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔ ویسے ورنہ مجھے بھی بہت پسند ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ میری شادی سے کچھ عرصہ پہلے رعنا اور ورنہ کے لیے بنائے گئے چیز کا

سلان ڈاکوٹ کر لے گئے تھے۔ کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی کے نتیجے میں ورنہ کے والد کو جان لیوا ہارت انیک ہوا اور پھر بعد میں ورنہ اور رعنا کا جس جگہ رشتہ طے ہوا تھا ان لوگوں نے وہ رشتہ بھی توڑ ڈالا۔ کلام آئی جالب کر کے اس گھر کا خرچہ چلا رہی ہیں۔" نے چاہتے ہوئے بھی شامل کے لیے میں حتیٰ آتی تو شامل کچھ دیر کے لیے انحر کوہ کیلے۔

"دیری بیڈ! اس کے لیے میں انحر کوہ سے ملتی ہوں۔"

"انحر کوہ پھر سے بات کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو۔"

"کیا سوچتی ہوں؟"

"میں کہ اگر تمہیں ورنہ پسند ہے اور تم اس سے شادی بھی کرنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں بغیر خیر کے نہیں قبول کرنا پڑے گا۔"

"شامل! جہاں میں کیا چیز۔ خیر بھائی کی شادی تمہارے سامنے ہوئی ہے۔ مجھے بتاؤ! ای نے یا خیر بھائی نے غزالہ بھائی کے گھر والوں سے چیز کی بددینی کوئی مانگی بلکہ ای نے تو یہیں تک کہا کہ ہمیں غزالہ بھائی کے تین کپڑوں میں بھی قبول ہے۔ میں اب پہلی فرمائش میں ای سے بات کروں گا۔ مجھے امید ہے ای میری خوشی کا ضرور خیال کریں گی۔" وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

کھٹوم کی طبیعت تین چار روز سے خراب تھی۔

مردرد بستر سے اٹھنے ہی نہیں دے رہا تھا اس کے آنس سے بھی چھٹی کرنا پڑی۔ اب تو اس کی طبیعت آئے دن خراب رہنے لگی تھی۔ آنس سے آنے کے بعد وہ بستر پر لیٹی تھی۔ حوریہ نے بہت زور دیا آپ ڈاکٹر سے عمل چیک اپ کروائیں۔ پھر ایک دوا ان تینوں کے زور دینے پر چیک اپ کے لیے راضی ہو گئی۔ تمام ٹیسٹ کیے گئے۔ کم از کم کھٹوم کا کسٹا تو ٹھیک تھا۔

"مجھے چھکن ہے اور کچھ نہیں۔"

"تو آپ جالب چھوڑ دیں، ہم تینوں کچھ نہ ہو سکتے۔"

لڑکیں گے۔ یہ حوریہ تھی۔ اس کی بات پر کھٹوم کو فضا آیا مگر ضبط کر گئی۔

"جس تک میں تم تینوں بہنوں کو عزت سے رخصت نہیں کر دیتی تب تک نوکری چھوڑنا مشکل ہے۔ اب تو بخو لو بھی بروہ گئی ہے دیگر سوتیس اس کے دادا ہیں اور تم نوکری کی بات آئندہ مت کرنا۔ میں تمہیں گھر سے باہر قدم نکالنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ میں جتنی جلدی ممکن ہو تمہیں اپنے گھر کا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"ای! ہم آپ کو صحت مند دیکھنا چاہتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔" ورنہ بستر کی پائنتی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

حوریہ بہت کچھ کہتا چاہتی تھی مگر ان کی حالت کے پیش نظر چپ ہو گئی۔ اس کے دل میں بہت دنوں سے غبار بن چکا جو کسی نہ کسی صورت نکلنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔

اسعد ایک بات کہوں؟ شامل ڈرنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہاتھوں پر کریم مل رہی تھی۔

"میرے پاس اگر کوہ تا وہاں سے تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئے گی۔" وہ نیم دوا آنکھوں سے آنسو بہا رہا تھا۔

"نہیں ابھی اتنی۔" وہ ٹائٹ کریم اب اپنے نرم و اذت بے راغ چہرے پر مل رہی تھی۔ ہنسنے لپٹا بہت خوش رہا تھا۔ شامل نے اس کا کندھا چھوا تو وہ لڑکتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کو انحر کیسے لگا؟" اسعد باؤں میں اٹھکیاں چٹا رہی تھی۔

"اچھا ہے ہر لحاظ سے میں نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" اسعد اس کے نرم و نازک ہاتھ کی زبانت گویا اپنے ہاتھ میں ہاب کرتے ہوئے بولا۔

"اسعد! بت دراصل یہ ہے کہ۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں ہاں! کوہ تا۔" اس نے ہمت دلائی۔

"انحر ورنہ کو پسند کرنے لگا ہے، پھر پھر کو آنٹی کے پاس لانا چاہتا ہے۔ میں آپ کو کیا بتاؤں کہ وہ کس بری طرح ورنہ پر مرنا ہے۔ کاموسے روز فون کر کے اس کے بارے میں پوچھتا ہے۔ سچ بتاؤں تو ورنہ مجھے بھی بہت پسند ہے۔ اگر یہ رشتہ طے ہو جائے تو اس میں دونوں گھرانوں کی خوش نفیسی ہے کیونکہ انحر جیسا لڑکا شاید ہی ورنہ کو ملے۔" وہ اس کی حسیزہ ہوتی حالت سے بے خبرانی رو میں کہے جا رہی تھی۔

"پلیز لاسٹ بند کرو۔ مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔ سر میں درد محسوس ہو رہا ہے۔"

"یہ اچانک آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" اسعد کی ساری

"نہیں! میں سوتا چاہتا ہوں۔" اسعد کی ساری

گر جو شیشی بھاپ بن کر اڑ گئی تھی۔

شامل اس کے برابر آکر لیٹی تو وہ کھٹوم بدل کر پرے ہو گیا۔ انہن خزاں کی زد میں آئے تھے کی طرح ادھر ادھر زلزلہ رہا تھا۔ اس نے تو تصور بھی نہیں کیا تھا کہ ورنہ کو اس کے بعد بھی کوئی پسند کر سکتا ہے۔ وہ اپنی شادی ہو جانے کے باوجود اس کے بارے میں سوچنے سے باز نہیں آتا تھا۔ اب شامل نے انحر کی پسندیدگی کے بارے میں بتا کر اس کی بے غلی مد سے سوا کر دی تھی۔

وہ چاہتا تھا ورنہ ساری عمر اس کی بے وفائی کے باوجود اس کے نام پر بیٹھی رہے۔ تو نتیجہ ہمار اس کے سراپے کو الوداع کہہ دے۔ وہ اس وقت خود غرضی کی انتہا سوچ رہا تھا۔

شامل تو سوچتی وہ جاگتا رہا اور منصوبے بناتا رہا کہ کس طرح انحر کو ورنہ کے رشتے سے برکشتہ کر سکے۔ براہ راست شامل سے تو یہ سب کہنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ چاہتا تھا کسی اور طریقے سے سب کام ہو تاکہ شامل بھول کر بھی اس پر شک نہ کر سکے۔

انحر نے فون کے ذریعے خیر بھائی پر ورنہ کے حوالے

سے اپنی پسندیدگی پوری طرح عیاں کر دی تھی۔  
 "یار! تم اس دیکھ اینڈ یہ آج تو تب ہی بات بنے گی۔  
 دینے میں ایسی تک تمہارا محل دل پہنچا ضرور دوں گا۔  
 بلکہ غزالہ یہ کلم زبانا بہتر طور پر کرے گی۔" خیر بھائی  
 نے اسے پوری طرح سے یقین دلایا۔ اگلے دیکھ اینڈ پہ  
 وہ خود گھر میں تھا۔

روزینہ بیگم کو کوئی اعتراض نہیں تھا، احسن  
 صاحب بھی راضی تھے۔ سہ ماہی خوش تھا کہ اتنی آسانی  
 سے سب لوگ مل گئے تھے۔ اب انیس دورہ کے گھر  
 بنانا تھا۔

کلثوم گھر پہنچی۔ پونے چھ بجے کا وقت ہو گا  
 جب شامل مسلمانوں کو ساتھ لے کر گھر پہنچا۔  
 رعنا اور حور یہ صبح کی نماز پڑھ رہی تھیں۔  
 دورہ کلثوم کے پاس ہی تھی۔ اس نے مسلمانوں کو سلام  
 کر کے ہٹ جانے میں ہی غایت جلدی کی کیونکہ خیر اور  
 غزالہ کی سسرالی نگاہیں اس سے بہت کچھ کہہ رہی  
 تھیں۔

کلثوم پر مسلمانوں کی آمد کا مدعا جہن کر شادی مرگ کی  
 سی کیفیت ماری ہو گئی۔ اس کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول  
 گئے پھر بھی اس نے رسمی طور پر سوچنے کی سہلت  
 مانگی۔

وہ لوگ چائے پینے کے بعد چلے گئے تو کلثوم نے  
 چلی تکی۔ خولہ اور حمیرا کو ویسے بھی کھد لگی ہوئی  
 تھیں۔  
 کلثوم نے انہیں بتایا کہ وہ لوگ دورہ کے رشتے کے  
 لیے آئے تھے۔

"آپ دورہ کے چچا ہیں اس لیے آپ کو بتانا میرا  
 فرض ہے۔ وہ لوگ چند روز کے بعد حتمی جواب لینے  
 آئیں گے اس موقع پر آپ کی موجودگی ضروری ہے۔  
 آپ کو ہی فیصلہ کرنا ہے۔" مکمل کا کھرب تھا کلثوم  
 میں سدا نون بھائی شرمندہ سے ہو گئے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں دورہ ہماری اپنی بیٹی سے پھر  
 انصر کا رشتہ بیٹھے بھائے مل جاتا بہت بڑی خوشخبری  
 ہے۔"

یہ بچا میاں تھے، انہوں نے بیگم سے بھی آج  
 چاہی۔ ناچار حمیرا نے رضامندی میں سر ہلایا۔  
 اسعد بھی مایہ دقت اس سے لونا تھا۔  
 رؤف صاحب نے اپنی دانست میں یہ خوشخبری  
 اسے بھی سنا دی۔ اس نے اپنی ملا جذبات کو بشکل  
 عیاں ہونے سے روکا اور کپڑے بدلنے کا بہانہ کر کے  
 وہاں سے اٹھ آیا۔

دورہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسعد کی  
 بچ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے رات کے بعد بذات  
 خود چل کر سہل تک آیا تھا۔  
 "کس لیے تشریف آوری ہوئی ہے؟" پوچھا۔

ہوئے بھی دورہ کا لہجہ مدکھا ہو گیا۔  
 "بہت خوشی ہو رہی ہے نا تمہیں انصر کے رشتے  
 سے۔" اس کا لہجہ نہ کینگی لیے ہوئے تھا۔  
 "آپ یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہیں؟"

"میں کون ہوتا ہوں بہت خوب۔ اب میں کرن  
 ہوتا ہوں۔ کبھی ہم بھی تم جی تھے ایشیا میں بارہو  
 نہ یاد ہو۔" وہ بہت بے خوفی سے کہہ رہا تھا۔  
 غیر موجودگی کا اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد ہی  
 اوپر آیا تھا۔ دورہ گھر میں اسی تھی۔

"اس رشتے سے انکار کرنا۔"  
 "کیوں انکار کروں؟"

"میں نہیں کہیں اور کاہوتا کہیے دیکھ سکتا ہوں۔"  
 "بھول جائیں کہ کبھی ہمارا کوئی تعلق تھا۔"

"تعلق تھا تو ضرور یہ الگ بات ہے کہ تم بھول گئی  
 ہو مگر میں نہیں بھول سکتا۔ پلیز تم انصر کے رشتے سے  
 انکار کرنا۔"

"انکار کر کے میں اپنی ماں کی مشکلات میں اضافہ  
 کیوں کروں۔ آپ تو عین وقت پہ ساتھ چھوڑ گئے  
 تھے۔"

"دیکھو دورہ! یہ اچھا نہیں کر رہی ہو تم۔"  
 "آپ کو اب کوئی غرض نہیں ہوئی ہے کہ میں"

دل نہیں کہہ برا۔"  
 "جو فرض ہے نا مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ  
 انصر کے ساتھ شادی سے انکار کر کے اپنے  
 قلمازی ماری ہے۔ تم کسی طرح بھی تو مجھے  
 لہجہ لہجہ میں اب بھی تم سے محبت کرتا  
 رہا۔" اسعد کا لہجہ خلل خلل سا لگ رہا تھا۔ عین اسی  
 اور یہ پونہوشی سے لہجہ اسعد اسے دیکھ کر  
 مانا اور فوراً "بچے کی جانب برہم گیا۔

پہل آئے تھے یہ موصوف؟" اس کا لہجہ بہت  
 لہجہ لہجہ اس کا سامنا کرنا دشوار ہو گیا۔ وہ جواب  
 دینا چاہتی تھی۔ دورہ میں کس گئی۔ حور یہ بندہ روزے  
 لہجہ لہجہ جس کے پیچھے سے دورہ کی سسکیں تیز  
 رہی تھیں۔

کال چاہا رہا تھا ابھی اسعد کے پاس جا کر اس کا  
 پتہ پتہ کر پوچھتے کہ وہ اوپر کیا لینے آیا تھا؟

دورہ کی خوشی دینی تھی۔ اس نے غزالہ بھائی کو  
 اسے پتہ کر کئی چکر دے ڈالے۔

"بار کب جاری ہیں دورہ کے گھر؟"  
 "میں نے مہر کی اچھی نہیں ہوتی کچھ وقت تو لگتا  
 ہے مہر کی مرضی تو یہی ہے کہ ہم لڑکی کو دو بول  
 لے آئیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔"

"وہ تو کئی چاہیے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا تو غزالہ  
 کو کڑکھائی۔

"میں نے یہ حل ہے بعد میں جانے کیا ہو گا۔"  
 "میں نے نہیں ہو گا۔" انصر کا اطمینان دیکھنے والا  
 لہجہ لہجہ اس کی خوشیوں کے دائمی رہنے کی دعا  
 کا لہجہ اور مسود لگ رہا تھا۔

انصر نے یہ تو بھول چکا ہے کہ انصر کی والدہ اور والد  
 محمد کے لیے ہمارے ہاں بار بار چکر لگا رہے  
 انصر نے دورہ کو دیکھتے ہوئے بہت کا آغاز کیا۔

انصر نے یہ تو بھول چکا ہے کہ انصر کی والدہ اور والد  
 محمد کے لیے ہمارے ہاں بار بار چکر لگا رہے  
 انصر نے دورہ کو دیکھتے ہوئے بہت کا آغاز کیا۔

انصر نے یہ تو بھول چکا ہے کہ انصر کی والدہ اور والد  
 محمد کے لیے ہمارے ہاں بار بار چکر لگا رہے  
 انصر نے دورہ کو دیکھتے ہوئے بہت کا آغاز کیا۔

انصر نے یہ تو بھول چکا ہے کہ انصر کی والدہ اور والد  
 محمد کے لیے ہمارے ہاں بار بار چکر لگا رہے  
 انصر نے دورہ کو دیکھتے ہوئے بہت کا آغاز کیا۔

"بلبل اب اس دنیا میں نہیں ہیں وہ ہوتے تو مجھے  
 کسی چیز کی بھی فکر نہ ہوتی۔ اب میرے اوپر وہی ذمہ  
 داریاں ہیں۔ مجھے تمہارے باب کا کردار بھی لونا کرنا  
 ہے۔ تم تعلیم یافتہ اور باشعور لڑکی ہو اس لیے میں تم  
 سے تمہاری رضامندی معلوم کرنا چاہ رہی ہوں کہ کل  
 کو تم یہ نہ کہہ سکو کہ مجھ سے میری مرضی نہیں پوچھی  
 گئی۔" دورہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"اے! آپ میرے لیے جس شخص کا بھی انتخاب  
 کریں گی مجھے منظور ہو گا۔ آپ نے یہ سوچا بھی کیسے  
 کہ میں اعتراض کروں گی۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور  
 ہے۔"

"دورہ! مجھے تمہارے دل کی رضامندی درکار ہے  
 تاکہ جب تم نئی زندگی کا آغاز کرو تو ماضی کی یادیں  
 تمہارے ہمراہ نہ ہوں۔ اسعد تمہارا کل تھا اور انصر  
 تمہارا آج ہے۔ بھول جاؤ اسے جو تمہارا نصیب ہی  
 نہیں تھا۔" دورہ نے سر جھکا لیا بھولنا آسان تو نہیں مگر  
 اسے یہ مشکل کام کرنا تھا۔

کلثوم نے بھی غرضی خاموشی طاری رہی جسے  
 کلثوم نے ہی توڑا۔

"خیر پھر کیا جواب دوں میں انصر کے والدین کو؟"  
 "آپ جو چاہیں کریں ہی! میں انکار نہیں کروں گی  
 اور یہ میں پوری سچائی سے کہہ رہی ہوں۔" یہ کہہ کر  
 وہاں سے گئی۔

کلثوم نے دورہ کی ہونے والی سسرال پہ اچھی  
 طرح واضح کر دیا تھا کہ وہ شادی سلوکی سے کہے گی۔  
 احسن اور روزینہ نے جین لینے سے حتی سے انکار کر دیا  
 تھا۔

جب شادی کی تاریخ طے ہوئی تو اس موقع پر کلثوم  
 کے پاس سلیم گیلانی بھی موجود تھے۔ جب سب اٹھ کر  
 چلے گئے تو تب دورہ کے پاس آئے۔

"یہ لو! میری طرف سے شادی کا تحفہ ہے کیونکہ  
 انصر کے والدین نے جین لینے سے انکار کر دیا ہے۔ میں  
 لیے یہ۔ تمہارے کام آئے گا۔ تم میرے لیے اولاد کی  
 طرح ہی ہو۔" انہوں نے ایک چمک اس کی طرف

انصر نے یہ تو بھول چکا ہے کہ انصر کی والدہ اور والد  
 محمد کے لیے ہمارے ہاں بار بار چکر لگا رہے  
 انصر نے دورہ کو دیکھتے ہوئے بہت کا آغاز کیا۔

پوچھ لیا۔ رقم پڑھ کر وہ کی آنکھیں جیرانی سے پھیل  
 گئیں۔ پچاس ہزار روپے دوسرے نے کچھ کہنے کے لیے  
 منہ کھولا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے  
 روک دیا۔

تھا۔ اس کے اپنے الفاظ سامنے آکر اس نے اپنے  
 رعبے تھے  
 کچھ غرض پہلے اس نے کتنی شجری سے وہاں  
 تھا کہ۔

ایک اور آیت۔ "منا فوراً" کچن میں تھس گئی جبکہ

جیسی تھی۔  
 "کیا قہر دلان گھرانہ ملا ہے اسے۔" وہ وردہ کی  
 گردن میں بڑے جواؤں کی گلس کی طرف دیکھتے ہوئے  
 سوچ رہی تھیں۔ انصر کی جیب میں بڑے موبائل نے  
 گنگناہا شروع کیا تو وہ محذرت کرتا ایک کونے میں چلا  
 گیا۔ خولہ چچی کھانے کی تیاری کا جائزہ لینے کچن میں  
 چلی گئیں تو اسجد تو موقع مل گیا کہ وردہ کا اچھی طرح  
 جائزہ لے سکے۔

کی۔ انہرے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے چہرے کی رونق واپس آگئی تھی۔  
پھر رات گئے ان کی واپسی ہوئی۔

حور یہ ان کی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔  
یونیورسٹی میں بھی سارا دن غائب، ماغی کے عالم میں  
گزارتا وہی بھانپ گئی کہ اسے کوئی چیز پریشان کر رہی  
ہے۔ سر نعلان کے پیڑ کے بعد یعنی اسے زبردستی  
کینے میرا پس لے آئی۔

"یار بھائی! کیا بات ہے۔ تم تو ایسے غیریت برتنے ہو  
جیسے میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔" وہ ناراض لگ  
رہی تھی۔

"بالکل نہیں بلکہ تم تو میری سب سے پیاری  
دوست ہو۔ اصل میں میں انی کی وجہ سے پریشان  
ہوں۔ انٹر نیار رہنے لگی ہیں۔ اتنی محنت کرتی ہیں  
صرف اس لیے کہ جلد از جلد ہماری شادی کر سکیں۔  
یعنی میں خود کو عضو معطر محسوب کرنے لگی ہوں۔  
کم از کم اتنا تو جو کہ میری تعلیم کی وجہ سے امی کو پریشان  
نہ ہو۔ میں اپنا خرچ خود اٹھا سکوں۔" اس کی تہاڑ  
بھرانے لگی تھی۔

"مگر حور یہ! اتنی تمہاری مایوسیت کے حق میں بھی  
تو نہیں ہیں۔"

"انی وجہ سے تو میں پریشان ہوں۔ ایک دو جگہ  
نیشن کی بات کی ہے مگر وہ نوک پیسے بہت کم دے رہے  
ہیں اس لیے میں نے انکار کر دیا۔" وہ بولی تو یہی گہری  
سوت میں ڈوب کر۔

"حور یہ! میرے ذہن میں ایک تئیز یا آیا ہے۔  
تمہاری طرح میرا ایک کزن بھی اپنا تعلیمی کیہ پر خود بنا  
چکا تھا۔ کچھ کام کے بعد وہ یارٹ ٹائم انٹرورس قائم  
کر تا تھا۔ نتیجتاً اسے اچھی خاصی آمدنی ہونے  
لگی۔ اگر تم راضی ہو تو میں ان سے بات کروں۔ کام  
مشکل بھی نہیں ہے یعنی مہلت میں زیادہ آمدنی اور  
اگر ایک آدھ مونی آدھی پچھن جائے تو کچھ دوارے  
نیارے ہو جاتے ہیں۔ تم یونیورسٹی کے بعد صرف

ایک ڈیڑھ گھنٹہ یہ جاہ کر سکتی ہو۔" یعنی لے آ۔  
ایک نئی راہ دکھائی تو وہ کچھ سوچنے لگی۔  
"مرا می کو کیا کہوں گی؟"

"کچھ نہ کچھ کہہ دینا۔ تم یونیورسٹی کے آس پاس  
کے گھر میں سے شروع کرنا۔ تمہاری بھولی صاحبہ  
دیکھتی ہی اکثر دوگنہ چاہتے ہوئے بھی میرا پس  
لیا کریں گے۔" یعنی نے اسے چھیڑا تو حور یہ لکلی  
اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یعنی کا تئیز یا اسے دل و جان  
پسند آیا تھا۔ اب مسئلہ کاٹوم کو رضامند کرنے کا  
رات کھانا کھانے کے بعد اس نے بہت کر کے  
سے کہہ دی۔

"انی! مجھے یونیورسٹی کے پاس ایک نیشن لڑ  
نے میری دوست کا بھانپا ہے۔ اس نے میری  
فکس کر لی کہ میں ہارن کو نیشن پر چا دیا کہ  
بہت کم دین بچے ہے میں یونیورسٹی ٹائم کے بعد  
صرف ڈیڑھ دو گھنٹے پڑھایا کروں گی۔ آپ ہار  
نہیں اوں گی کیونکہ میں بڑی کرتی ہوں۔"  
"مجھ سے پوچھا تو ہوتا تم نے اس طرح تو  
اپنی تعلیم کا حق نہ لوگ۔ تم خود کب بڑھو گی؟"

"انہ رات کو بہت دقت ہوتا ہے میں وہ  
دیر سے سونے کی مابنی ہوں۔ اب اگر میں نے ان  
تو یعنی ناراض ہو جائے گی اور پتا ہے یعنی میرا  
اچھی دوست ہے۔" حور یہ نے لاؤ سے اس کا  
ہاتھ تھام لیے تھے کٹھن نے چند لمبے سوجھا  
اثبات میں سر ہلایا۔

\*\*\*

حور یہ نے حضرت کے دل کے ساتھ سر ہلایا  
ڈھکے میں اعلان چمت والے گھر کی نقل  
آن اس کی باب کا پناہ ان تھا۔ یعنی کی دہائی  
برخلاف اس نے یونیورسٹی سے کافی فاصلے پر  
پڑسک۔ وہ ساتھی اسکیم میں بنے گھر کا انتخاب  
= بھی نوکلی نوکلی بنا، تو تھا۔  
ہاتھ بڑے بعد اندر سے کھٹ پٹ کی گئی



بیک سنبھل کر دو چوکنانگاہوں سے اندر سے کسی کیمین کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ گیت کھولنے والا کوئی لازم تھا۔  
"کس سے ملتا ہے آپ کو؟" وہ غور سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"صاحب یا بیگم صاحبہ گھر پر ہیں؟ مجھے بہت ضروری کام ہے بلکہ نہایت ہی اہم بات ہے۔" اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے گیت سے ہی رُخا رہا جائے گا۔ اسی لیے اس نے صاحب اور بیگم صاحبہ کا حوالہ دے کر ضروری کام کا کہا تھا۔

وہ چند سیکنڈ تذبذب سے اسے دیکھتا رہا اور پھر لمبائی سانس لے کر بولا۔

"صاحب تو گھر پر نہیں ہیں البتہ چھوٹے صاحب آرام کر رہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی انجینی سے لوٹے ہیں۔" خوریہ نے جس اعتماد سے "ضروری کام" کا بیان کیا تھا اس سے رحیم داؤد بھی دھوکہ کھانیا تھا جب ہی آرام سے چھوٹے صاحب کی موجودگی کا راز افشاں کر گیا۔

"آئیں اندر آجائیں۔" وہ اسے راستہ دیتے ہوئے بولا۔ خوریہ اس کی معیت میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر آئی۔ رحیم داؤد اسے ہٹا کر خود اندر کی طرف چلا گیا۔

خوریہ نے بیک فائل سمیت گود میں رکھ لیا اور ایک بار پھر اسے چھن کے فیوڈی کپڑوں کا جائزہ لیا۔ ابھی دو سینٹے مکے کلثوم اس کے لیے یہ سوٹ لائی تھی جس کی قیمت کسی طرح بھی آٹھ سو سے کم نہیں تھی۔ چہرے سرے اور نقوش سے وہ اتنے گھری گئی تھی تب ہی تو رحیم داؤد اسے یہاں بٹھا کر صاحب کو بلائے گیا تھا۔ یہ اس کا سب سے اچھا سوٹ تھا اس لیے نیک گلشن کے طور پر اس نے آج زیب تن کیا تھا کیونکہ یہی کام تھا اس ملازمت میں کپڑوں اور جیلے کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ پاؤں میں رعنا کی خوبصورت نئی چپل تھی اس نے رعنا سے چھپ کر

یہ چپل پسلی تھی۔  
یونورسٹی سے نکلنے سے پہلے اس نے ٹواکٹ میں جا کر بیٹی سے لب اسٹک اور قمیص ڈال لے کر لگایا تھا تاکہ فریش نظر آئے۔  
اشعر جاگ رہا تھا۔

"صاحب! ہر ایک لڑکی اتنی ہے کہہ رہی ہے کہ مجھے صاحب یا بیگم صاحبہ سے ضروری کام ہے۔ میں نے کہا کہ بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں البتہ چھوٹے صاحب ہیں تو کہنے لگی کہ ان سے ہی ملو اور میں ذرا تنگ دھم میں بٹھا آیا ہوں۔"

"کتنے احمق ہو تم رحیم داؤد! آئے روز اخباروں میں آتا ہی ہے اور پھر ہماری کلونی میں تو خبریں لڑکیوں اتنی عمدگی سے دیا دیتیں کہ وہی ہیں کہ پولیس بھی چکر اٹھتی ہے تم اسے بٹھا کر یہاں بیٹے آئے اسے باہر سے ہی رخصت کر دیتے۔" اشعر نے اپنی شربت صوفے سے اٹھا کر چھائی اور شبن بند کیے بغیر رحیم داؤد کو ہاتھ سے ایک طرف کرتے ہوئے سنبھال رکھا۔

اس کا کہہ اور ذرا تنگ دھم آئے سامنے تھے پھر دو دن بھی کھلا ہوا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ خوریہ تک ان دلوں کی توازن نہ پہنچتی۔ ابتدا ہی غلط ہوئی تھی۔ کتنے آرام سے اسے چور قرار دے دیا گیا تھا۔ اشعر اس کے سر پر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"ہاں تو محترمہ! آپ کون سے ضروری کام سے آئی ہیں بٹھا پند کریں گی۔" اس کے لمبے میں ذرا بھی لحاظ اور موت کا شائبہ تک نہ تھا۔ خوریہ اضطرابی انداز میں صوفے سے گھڑی ہو گئی۔ سامنے نگاہ کی تو سرخ سرخ آنکھوں والا نوجوان اسے مشکوک انداز میں گھورنا نظر آیا۔

پہلی بار اس نے خود کو کوسا کہہ کیوں اس گھر میں کبھی آئی۔

"دعہ میرا نام خوریہ بلال ہے۔ میں آنرز کی اسٹوڈنٹ ہوں اور پارٹ ٹائم انشورنس کا کام کرتی ہوں۔ میری دو بہنیں اور بھی ہیں۔ میری امی ایس ایم

برادر میں جالب کرتی ہیں اور میں جو گھبرا کر اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی۔

"یقین کریں میرا کسی بھی جراثیم پیشہ گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" اشعر حیرت اور بے یقینی کے طے طے تاثرات سمیت اس لڑکی کو دیکھتا رہا۔  
ہاتھیں دو واقعی سادہ تھیں یا پھر بہت ہی سستے مزے سے اٹھایا بیوٹا تیار تھا۔ حماقت کی بھی مدد ہوتی ہے۔

"آپ سے کس نے کہا تھا کہ بھری دھڑ میں یوں اکیلے دھڑلے سے لوگوں کے گھروں کی تل بجائی پھریں۔ اس گھر میں ایک رحیم داؤد اور دو سرامو میں ہوں اور اکیلے لڑکی کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" خوریہ کی ٹانگوں نے اس کے جسم کا بوجھ سارنے سے انکار کر دیا۔

"دیکھیں پلیز مجھے جانے دیں۔" وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید اب اس کے ساتھ وہ کچھ پیش آنے والا ہے جو آج سے پہلے وہ اخباروں میں پڑھتی رہی ہے یا پھر لا سروس سے منجی آئی ہے۔ بھلا ان دو بے کئے جوان مردوں سے بھاگ کر وہ کئی جا سکتی ہے۔ اس نے حندانی نگاہوں سے ذرا تنگ دھم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ملازم اب یہاں نہیں تھا۔ خوریہ نے بغیر سوچے سمجھے گیت کی طرف دوڑا گا دی۔ اشعر بھی اس کے پیچھے لڑکا تھا۔ اب سڑک پہ تھی اور بار بار سڑک پر اس کی نگاہوں سے پیچھے ہٹ رہی تھی۔

"نیسے مس۔ میں بھی ایک ہیڈ پالیسی لینا چاہتا ہوں۔" وہ زور سے بولا کہ خوریہ سنی ان سنی کر کے آگے کی طرف بڑھتی رہی۔

"مجیب لڑکی سے! خواہ مخواہ ڈسٹرب کرنے آگئی تھی اور پھر یوں پاگوں کی طرح منہ اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں اسٹاپی بہرہ روی کے نامے پالیسی لینا چاہ رہا تھا جانے نہ کیا سمجھی۔" اشعر برہنہ رہا تھا۔ رحیم داؤد لوٹ کر آتا تو لڑکی نہیں تھی۔ وہ سوائے نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلی گئی ہے گھر اپنے بارے میں فریفتار رہی تھی۔"

میری امی ایس ایم برادر میں کام کرتی ہیں، دغیو و غیو۔" اشعر کے ذہن میں ایس ایم برادر کا نام محفوظ ہو گیا تھا۔

خوریہ گھر پہنچی تو رعنا سو رہی تھی۔ اس نے شکر ادا کیا، ورنہ اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر وہ کئی سوال کرتی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے، جانے کون سی نیکی کام آگئی تھی۔ آئندہ میری توہ جو میں نے اس پارٹ ٹائم جاب کے بارے میں سوچا بھی۔ میں یقینی سے صاف صاف کہہ دوں گی یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔ میں اس جاب کے بغیر ہی ٹھیک ہوں۔" گھر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ جائے نماز پہنچی خود سے وعدے کرتی رہی۔



خوریہ فائل اگر ازمز کے بعد فارغ تھی۔ کلثوم اس طرح ہنوز آفس جا رہی تھی۔ ایک دفعہ کے کچھ تجربے کے بعد خوریہ نے ملازمت کے ذریعے امی کے بوجھ کو کم کرنے کا جو خواب دیکھ رکھا تھا وہ اسے فراموش کرنا پڑ گیا۔ یعنی ہی کے توسط سے اسے ایک اور بیک ملازمت مل رہی تھی لیکن کلثوم اس کے کام کرنے کے حق میں نہیں تھی۔

گھر کے معاملات اسی طرح چل رہے تھے۔ شامل کی طبیعت کئی دنوں سے خراب تھی۔ خولہ اسے ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے کر گئیں تو خوشخبری سمیت واپس آئیں۔ شامل اکثر شمالی سے گھبرا کر اوپر رعنا اور خوریہ کے پاس چلی جاتی۔ درد کے فون آنے رچے بڑھتا ہوا بعد وہ خوب بھی چکر لگاتی تو زندگی کے گئے بندھے معمول میں کچھ باپل کا احساس ہوتا۔

انصر کی پوسٹنٹ شو رکوٹ ایئر میں ہے ہو گئی تھی۔ درد اس کے ساتھ ہی گئی تھی۔ لب اس کے ساتھ شخص فون کا رابطہ رہ گیا تھا۔ اس دوران انصر کو بوٹ کے ساتھ عمران جانا پڑا تو درد کو وہ اس کے گھر پہنچ گیا۔

"دردن سسرل میں رہنے کے بعد وہ امی کی طرف آ گئی۔"

آج تیسرا روز تھا کہ کلثوم آفس نہیں گئی تھی۔ سورہ کے ساتھ بند کمرے میں راز و نیاز ہوتے رہے پھر ایک روز یہ عقدہ بھی کھل گیا۔ سورہ نے رعنا اور حوریہ کو بتایا کہ۔

"امی بہت جلد تمہاری شادی کرنے والی ہیں۔ سدا کی تھوڑے دل کی حوریہ یہ سن کر بے اختیار ہی تو ہو گئی۔

"میں کوئی شادی وادی نہیں کروں گی میں امی کے پاس رہوں گی۔" سورہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

"یہ تو قوی کی باتیں مت کرو۔ وہ امی ملامت دونوں کو رخصت کر دیں گی۔" حوریہ کے تو ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے۔ البتہ رعنا نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔

جس کسی نے بھی حوریہ اور رعنا کی شادی کی خبر سنی، حیران رہ گیا۔ کلثوم نے تمام سرالیوں کو اعتماد میں لیتے ہوئے دونوں لڑکوں کے بارے میں بتایا تھا۔ رعنا کے لیے جس لڑکے کا انتخاب کیا گیا تھا وہ کلثوم کے آفس کے ہی ایم وی کا بیٹا تھا جبکہ حوریہ کا بونے والا شوہر سلیم گیلانی کے بھائی منیر گیلانی کا ایک بھائی تھا۔ کلثوم بہت خوش تھی اس کی شالی رخصت میں پھر سے سرجی روڑنے لگی تھی۔ نکاح کے ایک ہفتے بعد ان دونوں سونوں کی رخصتی تھی۔

پھر بے حد سادگی کے ساتھ سارے امور طے پا گئے۔

بال کی موت کے طویل عرصے بعد کلثوم پہلی بار سکون کی خند سوئی۔

اس کے بعد پورا مہینہ مہرہ میں گزرا۔ انہر بھی مکرین سے لوٹ آیا تھا۔

کلی حوریہ اور رعنا کی رخصتی تھی۔ رات گزر رہی تھی۔ کلثوم ان کے کمرے میں آگئی۔ سورہ بھی یہیں تھی۔ کلثوم نے باری باری ان تینوں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے تیروں سے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی راز کا انکشاف کرنے والی ہے۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے فرائض سے بخوبی عہدہ برآ ہو رہی ہوں۔ میں یہ سوچ سوچ کر ریٹین ہوئی رہتی تھی کہ جیسے تم تینوں کی شادیاں ہوں گی میں نے تمہارے ابو سے بھلے وقتوں میں وعدہ کیا تھا کہ اگر برا بھلا وقت آیا تو میں تم تینوں کو یا ہر کسی بے رحم خدا میں نہیں جانے دوں گی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں اپنے وعدہ کو پورا کرنے میں کامیاب ہو چکی ہوں۔" پھر وہ سانس لینے کے لیے رکی۔

"آج اس راز کو کھولنے کا وقت آ گیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے صبر کیا۔ سوچتی تھی جب تم تینوں اپنے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ اتنے اچھے گھروں میں تمہاری شادیاں کیونکر ممکن ہوتی ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر کو چپ ہوئی تو کسی میں بھی اس کو مخاطب کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

"صرف میری تنخواہ میں تمہاری شادیاں ممکن نہیں تھیں اس لیے میں نے سلیم گیلانی سے شادی کر لی تھی جو ایس ایم برادرز کے مالکوں میں سے ایک ہیں۔" انہوں نے ایک سانس میں وہ کہہ دیا جس کا بوجھ درد کی شادی سے بھی پہلے ہی تھا۔

"امی! آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" سورہ بے یقین لگا ہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں درد! سچ ہے آفس میں کام کرنے کے کچھ عرصے بعد ہی سلیم صاحب نے مجھے شادی کی آفر کی۔ میں نے تمہارے اچھے مستقبل کے لالچ میں یہ آفر قبول کر لی اور سلیم صاحب کے سامنے یہ شرط رکھی کہ جب تک تم تینوں کی شادی نہیں ہو جاتی میری اور ان کی شادی راز میں رہے گی صرف منیر بھائی اور رحمت بھائی کو پتہ ہے۔" یہ دونوں رعنا اور حوریہ کے سر سے

تھے۔

"سلیم صاحب نے میری ہر شرط مانی۔ میں تک کہا کہ میں تمہاری بیٹیوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھوں گا اور انہیں بیٹیوں کی طرح ہی رخصت کروں

گا۔" یہی تک پہنچ کر وہ چپ ہو گئی۔ ان تینوں کے دواں دواں ہونے چہرے کلثوم کی برداشت سے باہر تھے۔

"آپ نے خود کو بچ دیا۔" حوریہ کا جملہ بہت سخت اور کاری تھا۔

"میں نے اسی لیے کہا تھا کہ ہم تینوں بہنوں کو بدست کرنے دیں ہم کچھ نہ کچھ کر ہی لیتے ہم تینوں خیم یافتہ تھے بڑے بڑے دفاتر میں۔ سہی کوئی چھٹی مانی تو کمری تو مل ہی جاتی۔" حوریہ کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو گیا تھا۔ ان تینوں کی یہی کیفیت تھی۔ رعنا بالکل خاموش تھی۔

"تمہیں کیا پتہ میں نے کیسے یہ سب کچھ کیا ہے۔" کلثوم کا لہجہ ہر قسم کے اثر سے عادی تھا۔

"بتاؤ پھر ہی تھی۔" حوریہ بدتمیزی کی انتہا کو پہنچ رہی تھی۔

"ہم کسے رشتہ دار ہیں؟ سامنا کریں گے سب ہم بنیں گے۔ ادا انہیں گے کہ جو ان بچوں کی ملیا نے شادی کر لی؟ ہمارے دو خیال والے ہمیں جینے کے قتل نہیں چھوڑیں گے ہم جس طرف سے بھی کریں گے دنیا والوں کی زبانیں ہمارا پیچھا کریں گی۔" سورہ لگی۔ کلثوم سپاٹ چہرے کے ساتھ خاموش رہی۔

"اب میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"آپ نے ہماری اور خاندان والوں کی عزت کا ایسا کیا ہے جو کہہ رہی ہیں میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔" حوریہ کا لہجہ احترام سے یکسر ناری تھا۔

"دیکھو حوریہ! تمہیں خدا کا واسطہ لوگوں کے ماننے میرا تشامت بنو ابلہ۔" کلثوم نے ناہزی سے کہا۔ یوں لگ رہا تھا کہ کسی بھی وقت ضبط کا اختیار کوہے گی۔

درد آنکھ کر دوسرے کمرے میں آگئی۔ رعنا وہیں اپنی تھنوں میں سر دے آہستہ آہستہ رو رہی تھی۔

انہوں نے درد اور حوریہ کی طرح کسی بھی رد عمل کا

اظہار نہیں کیا تھا ان دونوں کے برعکس وہ ملی کی قربانیاں فراموش نہیں کر سکتی تھی۔ اسے اپنے سرے کلثوم کے ہاتھ کا کس محسوس ہوا تو اس نے بھی ہلکی ہلکی انہامیں۔

"رعنا! تم بھی مجھے قصور وار سمجھ رہی ہو۔ میں شکر ہوں کہ تم بھی کچھ کہو مجھے۔" حورب ٹھہراؤ۔"

"نہیں امی۔" وہ تڑپ اٹھی۔

"حوریہ اور درد آپنی شاید اپنے رشتہ داروں کے روتے بھول گئی ہیں۔ ان کی طوطا چٹھی اور خود غرضی فراموش کر گئی ہیں جب ابو کے بعد سب نے ہم سے آنکھیں پھیر لی تھیں اس وقت یہ سب رشتہ دار گھلے تھے جن کا درد آپنی اور حوریہ کو بہت خیال ہے۔" وہ قصداً انہیں سناتے کو اوجھی توازن میں بولی۔

حوریہ نے اس انکشاف کے بعد دل میں جو ٹھنکی تھی اسے کر کے ہی رہی۔ اس نے سمانوں سے بھرے گھر میں ہر شخص سے انکار کر دیا۔

کلثوم کی ٹولی بھی اتنا اس کا دل موم نہ کر سکی۔ "میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" آپ نے ہماری صورت میں مجبور یوں کا سوا کیا جو مجھے منکور نہیں ہے۔" سلیم گیلانی نے اس کی نشی فٹیں کیس محروم جا کر کمرے میں بند ہو گئی۔

"حوریہ! درد! انہوں نے صرف آج کے دن آخری بار میری بات مان لو۔ صرف آخری بار۔" کلثوم نے بے قراری سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"حوریہ! تمہیں اپنے ابو کا واسطہ یوں مت کرو۔" حوریہ نے جو کچھ سے دروازہ سے کھول دیا۔

"ساری صورت حال تمہارے علم میں ہے۔ منیر بھائی نے سینکڑوں مسلمانوں کو بدعنوان کر رکھا ہے اگر تم نے یہی ضد لگائے رکھی تو ان کی بہت بدنامی ہوگی۔ اس وقت میرا بھرم رکھ لو مسٹر لیل چلی جاؤ۔ بعد میں جو جی میں آئے کر لے۔"

"آپ بار بار میرے ابو کا نام مت لیں۔ آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ لب ان کا نام اپنی زبان پہ

لائیں۔ ٹھیک ہے میں پرسوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر میں آجوں گی۔ میں ان قتل غارت لوگوں کی عقل بھی نہیں دیکھنا چاہتی جنہیں آپ اور سلیم صاحب نے ملی بھگت سے میرے لیے منتخب کیا ہے۔ حوریہ کا لفظ لفظ ہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

مسافروں کے کانوں میں ٹھٹھک توڑی گئی تھی۔ پھر کسے ممکن تھا کہ منیر گیلانی کو پتہ نہ چلتا۔ اوھر کلثوم اور سلیم گیلانی کی خفیہ شادی کی خبر ایسی تھی جس پر حوریہ کی ساری درحیال میں چہ بیگوئیاں ہو رہی تھیں۔ رونق صاحب اور پچا میاں کے تو چہرے ہی بگڑے ہوئے تھے یہی حال خولہ اور حمیرا کا تھا۔ درد کے سسرال والے خاموش تھے۔ حوریہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے جو نئی صورت حال بن گئی تھی وہ کئی سرگوشیوں کا دروا کر رہی تھی۔ منیر گیلانی کی بیوہ بن حوریہ کے کپڑے اور دیگر چیزیں لائیں۔ وہ دھن بننے کے لیے راضی ہی نہیں ہو رہی تھی۔ کپڑے تو مارے ہاتھ سے اس نے پسینے لیے۔

”اس ڈھکوسلے کی ضرورت ہی کیا ہے جب مجھے وہیں رہنا ہی نہیں ہے تو پھر دلہن کا سوانح بیکار کیا۔“

منیر گیلانی اور نارو نے اشعر کو اک طرف لے جا کر صورت دلی سمجھائی تو وہ غصے میں آپ سے باہر ہو گیا۔

”جب وہ محترمہ راضی نہیں تو پھر یہ کہہ کر گپالے کی کیا ضرورت تھی آپ کو تو اسلانی ہمدردی کا بخار چڑھ جاتا ہے۔ انکل کے زور دینے پر آپ کتنے آرام سے شادی کے لیے تیار ہو گئے۔ ہاں جب وہ لڑکی ہو کر اتنے لوگوں میں دھڑلے سے انکار کر سکتی ہے میں تو پھر مرد ہوں کیسے اپنی توجہ برباشت کر سکتا ہوں۔“ وہ بھی اکڑ گیا۔ منیر گیلانی سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ بمشکل تمام اسے لہجہ آیا کیا۔

حوریہ اور رعنا کی رخصتی کے بعد وہ وہاں سے ملے بغیر ہنصر کے ساتھ چلی گئی۔ کلثوم کے دل کو دھکا سا

لگاؤ لئے بے مسافر کی طرح کمرے کے بیچوں بیچ لٹ گئی تو سلیم گیلانی نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔ ”او کلثوم! اپنے گھر چلتے ہیں۔ مجھے تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ اب یہاں کیا رکھا ہے پھر دے بھی تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکی ہو۔ میرا گھر تمہارے انتظار میں ہے۔ ڈاکٹر نقوی کو میں ابھی فون کرتا ہوں جب تک وہ آتا ہے تب تک ہم بھی پہنچ جائیں گے۔“ کلثوم نے ہونٹوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

اسے سلیم گیلانی کے ساتھ جانا دیکھ کر کئی دنوں سے سسرانہ انداز میں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔

”ہم انکوں نے میری دل کی مجبوریوں سے بے خبر کیا ہے۔ گھر میں اپنے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں اپنے مرحوم باپ کی وجہ سے عارضی طور پر یہاں آئی ہوں۔“

”کیوں کیا ہے مجھ ناچنے پر یہ افسوس؟“ اشعر نے بھی کہیں حساب رکھنے والا تھا۔ ابھی کچھ نہ بولے تھے جس انداز میں اس کے گھر آکر جس طرح بھاگ کر ہوئی تھی اشعر کا بی روز تک اسے یاد کر کے ہنستا رہا۔ پھر جب حوریہ سے اس کی اجاگ شادی کا سلسلہ پورا سے تصویر دکھائی گئی تو وہ ایک نظر میں پہچان گیا وہی انشورنس والی لڑکی ہے جو بھری ہنسنے میں اس کے گھر آئی تھی۔

جب وہ کسی طرح کالی ہل نہیں کر رہی تھی تو اس کے لیے میں کوئی موت تھی تو پھر اسے کیا بڑی تھی کہ اپنے دل کا دل کتا پھر نہ اس کے نرم نرم گول ہاتھ جذبوں پر اوس آگری تھی۔

وہ اس گھر اور اس کے کینوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ آئی تھی۔ اپنے پورشن کی سیر میں اس کے کرتے ہوئے اسے اپنے پیچھے بہت سے قدم لگائی

نہٹ سٹکی رہی تو وہ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ خولہ میراچی درخین شامل سب اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ محل سے انداز میں ایک طرف بیٹھ گئی۔ خولہ چچی اور حمیرا چچی نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”حوریہ! تم سے مجھے اس حرکت کی امید نہیں تھی۔“ شامل ہنسٹ سے بولی تو وہ کندھے ہٹک کر رہ گئی۔

”ہاں بھلا اب یہاں کیا رکھا ہے کون تمہاری راہ دیکھ گا۔ تمہاری امی تو اپنے نئے لویے دو لہا کے ساتھ پہن گئی ہیں۔“ خولہ نے ٹھٹھکی کیا۔

”کلثوم کو اب بھلا شادی کی کیا سوچھی تھی۔ نہیں ہاں اگر اللہ کرے۔ نہ پوچھو کہ کلی محلے والے کیا کیا نہیں کر رہے ہیں۔“ یہ میراچی تھیں۔ شامل نے لڑکی نگاہوں سے دیکھا۔

”اتنی نے شادی ہی تو کی ہے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ وہ اپنے مسائل کو ہم سے بڑھ کر جانتی تھیں۔ پھر منیر انکل اپنے آدمی ہیں۔ آپ خود ایمانداری سے جانیں اگر اتنی شادی نہ کرتیں تو اس گھر کے مسئلے حل نہ ہونے کے لیے آپ لوگ کچھ کرتے؟ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ دورہ خونی منی صرف اس لیے ٹوٹ گئی تھی کہ کلثوم اتنی جینز کی ڈیٹا پوزی نہیں کر سکتی تھیں۔ اس خود غرض دنیا میں جب ہر طرف نفقہ نفسی فساد ہو تو پھر ہر شخص کو اپنی اپنی صلیب خودی اٹھانا پڑتی ہے۔“ شامل نے آئینہ دکھایا تو سب جب کے ہاتھ روکنے حمیرا ہیں جب ہوگی۔ بہت کچھ کہنے کی ضرورت خولہ کے دل میں ہی رہ گئی۔

اندر کمرے میں حوریہ بالکل خاموشی سے بیٹھی (ال) کو تک رہی تھی۔

اشعر کی پھر پھر نارو اور ماما منیر گیلانی نے اسے کتا لہا تھا۔ بیٹا اشعر لا خلیق نظر آ رہا تھا۔ یہ دونوں اس لہا میں انہیں کی طرح گزارے تھے جیسے بھولے بھٹکے ال طرف آئی ہو۔

”ایسا اگر یہ یہاں رکنا نہیں چاہتی ہیں تو آپ کیوں زبردستی کر رہے ہیں؟“ اشعر نے کہا۔

”وہ کھو بیٹی! گھر بٹا آسان نہیں ہوتا نہ یہ بچوں کا کھیل ہے کہ شادی کر کے طلاق دے دی جائے۔ تمہاری امی کو برا ارمان تھا کہ جلد از جلد تم اپنے گھر کی ہو جوتو پھر سلیم بھائی کی شادی پر میں بھی خوش ہوں۔ سلیم بھائی بہت رحمتی فطرت کے مالک ہیں انہوں نے حوالی میں بھی کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی بہت پہلے ایک بیوہ سے شادی کی تھی جو ان سے پورے دس برس بڑی تھی۔ ان کا یہ جذبہ سرا ہے بنانے کے لائق ہے۔ کلثوم بھابھی نے جب ہارے ادارے میں ملازمت کی تو تب ان کے حالات سلیم بھائی کے علم میں آئے اور انہوں نے بھابھی کو پود پوز کیا۔“

حوریہ نے خود کو شرمندگی کے گہرے غاروں میں اترتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ کمرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے امی نے سلیم صاحب سے ان کی خوشیوں کی خیرات مانگی ہے۔ وہ بہت علوم علوم کی گیلانی اؤس سے باہر نکلی تھی۔

”حوریہ بیٹی! اچھی طرح سوچ لو اگر لوٹنا چاہو تو واپسی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں میں یہی سمجھوں گا کہ۔“ اپنے پیچھے اس نے منیر گیلانی کی آواز سنی تھی۔

”میں اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں سر اٹھا کر لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا چاہتی ہوں جو یہاں اس گھر میں ممکن نہیں ہے۔ آپ بھی تو سلیم صاحب کے رشتہ دار ہیں۔“ اس نے غل میں ممد کیا تھا۔

حوریہ کے خود مختار ہونے کا دیرینہ خواب بورا ہو رہا تھا۔ امی تو اس کی ملازمت کے تحت خلاف تھیں مگر اب اسے کسی کا بھی ڈر نہیں تھا۔ اس نے ایک اخبار

جوان کر لیا۔ جو اس کا دیرینہ شوق بھی تھا۔

ایڈیٹر احمد بٹ نے بہت جلد اس کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا۔ مگر احمد بٹ سے سارا اشتغاف ناراض ناراض نظر آیا تھا مگر چونکہ وہ غنی خانی کی تھی اس لیے لب کشائی کی بہت نہ کر سکی۔ نیوز پیکیشن کا حسن اور چیف رپورٹر عون احمد بٹ کے خلاف ہی باتیں کرتے نظر آئے۔ بہت آہستہ آہستہ وہ کچھ ہی روز میں ایڈیٹر کے ساتھ عون اور حسن کی چپقلش کی وجہ جان گئی۔ حسن کا مرس اور ایڈیٹر رپورٹر تھا مگر احمد بٹ نے آتے ہی اس کا تبادلوں شوز میں کر دیا جو اس کی فیلڈ ہی نہیں تھی۔ جس پر اس نے خوب شور کیا تھا۔ عون بھی حسن کا ہمراہ تھا۔

حوریہ نے اپنے تئیں بڑے خلوص سے حسن کو مشورہ دیا کہ وہ کسی بد خبری میں چلا جائے حسن اسے بھڑکاتا گیا۔

"بھئی" میرا مطلب ہے جب آپ شوز کرتا ہی نہیں چاہتے تو پھر سر کھپانے کا فائدہ "اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

"کس حوریہ! یہ میری امانت کے خلاف ہے۔ میں اسی اخبار میں کام کروں گا۔" وہ زور دے کر بولا۔ اریبہ ان دونوں کے مکالمے بغور سنتی رہی مگر اس سے غفلت نہیں دیا۔ اریبہ اسے ساتھ لے کر پریس کلب چلی گئی۔ وہیں سے واپس آکر خبریں لکھنے اور پھر انہیں فائل کرنے میں خاموش وقت لگ گیا۔

وہ گھر لوٹی تو بہت عرصے بعد اس کی ملاقات سرینا سے ہوئی۔ وہ بہت گرجوٹی سے اس سے ملی مگر سرینا کے انداز میں وہ خلوص سمجھیں تھا جو کبھی اس کی شخصیت کا حصہ رہا تھا۔

"میرا تبادلہ ہو گیا ہے۔" وہ نونی پھونپی انگریزی میں بولی۔ حوریہ کے ذہن میں جو سوال ایک عرصے سے سرینا کے حوالے سے اپنل چارہ تھے اس نے آج اسے اظہار کی جرات دے دی۔

"سرینا! آپ نے شرجیل میں کیا دیکھا جو اتنی

بہ دردی سے اس پر اپنا دھبہ خراج کرتی رہیں۔"

"محبت کرتی ہوں میں شرجیل سے۔ پہلے یہ کہتا رہا کہ میں تم سے شادی کر لوں گا۔ اب کہتا ہے اسے میری رکعت پسند نہیں ہے۔" سرینا کا لہجہ دکھ سے بھرا ہوا تھا۔

شرجیل سے سرینا کی ملاقات کالج کورس میں ہوئی تھی۔ وہ مختلف سفارت خانوں میں کالج سکھاتا تھا۔ سرینا اسلام آباد میں فرانس کے سفارت خانے میں بجٹ سکرٹری تھی اس نے شرجیل سے کہا کہ تم میرے پاس آ جاؤ۔ شرجیل کا کام بس اتنا ہوا کہ وہ سرینا کے ساتھ ساتھ رہتا کالج سکھاتا اس نے جموڑیا تھا۔ سفارت خانے کا پاکستانی عملہ شرجیل کا بہت مذاق اڑاتا۔ اسے عورت کی کٹائی۔ لٹے والا کہا جاتا۔ سرینا دوبارہ شرجیل کو فرانس بھی لے جائی تھی۔ وہ اس کے بے دریغ پیسے خرچ کرتی شرجیل کے قہارم گھروالے

اس کی فیاضی سے کام نکل رہے تھے اب لون کے گھر میں ایک سے ایک قیمتی چیز موجود تھی۔ سرینا کی بدولت شرجیل اونچے حلقوں میں متعارف ہوا۔ اب جب سرینا کا تبادلہ ہو رہا تھا تو شرجیل نے بھی آنکھیں بدل لی تھیں۔

خولہ اور روہف صاحبہ سمیت اس نے بھی شرجیل زور دیا کہ سرینا سے شادی کر کے سب کچھ سنبھالے اور وہ شاید ایسا کر گزرتا کہ سرینا کی بدولت لب اس کے پاس اتنا کچھ تھا کہ وہ کسی بھی خوبصورت گورنی خانی لڑکی سے شادی کر سکتا تھا۔

حوریہ کا دل دکھ سے جو تھل ہو رہا تھا۔ سرینا کی سرخ آنکھیں اور نونا ہوا لہجہ اسے کبھی بھی نہیں بھول سکتا تھا۔



احمد بٹ نے ملک میں بڑھتی ہوئی پرائیویٹ سیکورٹی ایجنسیوں اور ان کے دائرہ کار کے بارے میں اسے ایک نوٹ لکھنے کا کام دیا تھا۔ اس ضمن میں اس نے

نے اسے بہت گھڑیا کیا تھا۔ آج بھی اسی سلسلے میں وہ ایک پرائیویٹ انجینی کے مالک سے انٹرویو کرنے آئی تھی۔

مرکزی گیسٹ ہاؤس میں کھڑے تھے۔

وہ فوٹو گرافر عامر کے ساتھ پریس کارڈ دکھانے کے بعد اندر مرکزی عمارت کی طرف بڑھی۔

لکڑی کی شاندار سی میز کے عقب میں چیرہ بیٹھے اشعر منیر گیلانی کو پہچاننے میں کوئی وقت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کبھی بھی اشعر کے بارے میں جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کی سہلی موجودگی کا اسے ذرا بھی علم نہ تھا۔ وہ سہلی بھی نہ آئی۔

اشعر کے چہرے پر انے تعلقات کی کئی کاشائیں تک نہ تھیں۔ اس نے مکمل ہمت سے خود کو سنبھال لیا تھا۔

حوریہ بھی سر جھٹک کر ذہن میں ترتیب دیے سوالوں کو ہرانے لگی۔ عامر حوریہ کے ساتھ دوسرے صوفے پر بیٹھا صوفٹ ڈرنک اور دیگر لوازمات سے انصاف کرنے میں مصروف تھا۔ حوریہ نے سامنے ٹیبل پر دھری کھانے پینے کی کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ تابڑ توڑ سوال کر رہی تھی تاکہ جلد از جلد یہاں سے نکل سکے۔ اشعر کا چہرہ غلاف معمولی سنجیدہ نگ رہا تھا۔

حوریہ انٹرویو میں مصروف تھی کہ انجینی کا دوسرا پارٹنر ولید خان بھی آیا۔ سیکورٹی انجینی دو دونوں مل کر چاہتے تھے۔ اب وہ ولید خان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

عامر درمیان میں تصویریں بھی بنا رہا تھا۔ انٹرویو کا مرحلہ تمام ہوا تو حوریہ نے انجینئران کا سامنا لیا۔ اشعر گیلانی کا سامنا آسٹن نہیں تھا۔ اس نے منوں بوجھ سر سے اترتا محسوس کیا۔

"تم آج بڑے سنجیدہ لگ رہے ہو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس لڑکی کے آگے تمہیں ذہنی ہتھیار لگایا ہے۔ ویسے لڑکی بھی بڑی پیاری کم عمری اور نہ میرا واسطہ آج تک جن صحافی عورتوں سے پڑا ہے سب کی سب

چہرے سے ہی بہت تیز رفتاری سے لڑکی۔ اس سے اخبار سے آئی تھی بلکہ روزنامہ "نیان" سے آئی تھی۔ خود بھی تو ناز اور شاداب سی لگ رہی تھی۔ شاید نئی نئی اس فیلڈ میں آئی ہے۔" ولید خان مسلسل بول رہا تھا۔ اشعر نے سرخ آنکھوں سے اسے گھورا تو وہ چپ ہو گیا۔

"اب اس لڑکی کے بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔" اشعر کا انداز ڈونک تھا۔

"کیوں پار! تم کیوں ناراض ہو رہے ہو؟ وہ لڑکی تمہاری کیا لگتی ہے؟" ولید کو بھی غصہ آگیا۔ میں اس وقت گلاسز دور دھکیل کر کرتل مقبول اندر داخل ہوئے۔ اشعر نے بمشکل تمام خود کو کمپوز کیا۔ وہ دونوں کا لچلانا فست اچھے اور گہرے دوستوں کی طرح ہوا۔

دوسرے سے دوستی بھارت ہے تھے تن پہلی بار اشعر ایک انجینی لڑکی کے لیے اس انداز سے پیش آیا تھا۔ حیرت انگیز بات تھی۔

کرتل مقبول چلے گئے تو اشعر خفا خفا سا واپس آیا۔

"آئی ایم سوری پار! ہم نہیں کیوں مجھے غصہ ہوا تھا۔"

"سچ کہو نا وہ صحافی تمہیں بھی اچھی لگی ہے۔" وہ چٹک کر ہوا۔

"نہیں ولید! یہ بات نہیں ہے اصل میں۔" اشعر نے اسے تمام کہانی سنا دی تو ولید نے ہر سوال کھوجتی نگاہ اس کے چہرے پر جمادیں۔

"مکمل ہے حوریہ اس طرح کی لگتی تو نہیں ہے۔ ایک چھوٹی سی بات کے پیچھے خراب کر رہی ہیں۔" ویری سینڈیا انم میں کیا کی ت جو وہ بولی تو ولید اسے ہنس دیا۔

"تمہاری شادی کا قصہ تو مجھے پتہ تھا تمہیں پتہ تھا۔" اشعر نے ہنس کر سنا تھا کہ حوریہ ہی تمہاری منکوحہ ہے۔

"اگر تم کہو تو میں بہت کراؤں؟"

"نہیں ولید! ایسا سوچنا بھی مت ہو سکتا ہے۔" محترمہ اپنی جگہ درست ہوں۔" وہ تاسف سے ہوا۔

ولید نے سر اٹھتی نگاہ سے اسے دیکھا۔

ولید نے سر اٹھتی نگاہ سے اسے دیکھا۔ جب وہ نش "لباقت" مضبوط جسمت "عمدہ ڈرنک" کوئی جی تپتی اسے ٹھکانے کی محنت نہیں کر سکتی تھی۔

اشعر کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حوریہ حق دق رہ گئی۔

"نولہ چچی خود اسے ساتھ لے کر اور آئی تھیں۔" ہمارے سامنے آئے ہیں۔" وہ طنز سے مسکراہٹ اس کی طرف اچھل کر چلی گئیں۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" حوریہ نے اپنے لب لہجے کو سخت بنانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"ہیں دیکھتے آیا ہوں۔"

"ہو اب تشریف لے جائیں۔" وہ بد تمیزی سے بولی۔

"اشعر اس کے قریب آیا۔"

"بہت اکرے تم میں۔"

"نہیں دار جو آگے بڑھنے کی کوشش کی۔"

"ورنہ کیا کر لو گی تم بولو۔" وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"اب یہی ہے۔ ہونٹ کھل کر رہی۔"

"تم جاب نہیں کر رہی؟" میرا صدمہ ہے۔"

"میں آپ آؤں تو کیا ہیں مجھے حکم دینے والے؟"

"بش یہ سوال تم اس وقت کرتی جب رخصت ہو کر یا بل باؤس میں آئی تھیں اس وقت میں تمہیں لگا۔" خاکا طرہ سے بتا کہ میں کون ہوں؟ وہ۔

"میں تم جاب نہیں کرو گی نہ جانے ولید کی طرح اور ان کون تمہارے بارے میں کیا کچھ کہتا ہو گا۔"

"میں طرح اچانک آیا تھا اسی طرح چلا بھی گیا۔"

"وہ کی ساتوں میں ابھی تک اس کا بے باک لہجہ گونج رہا تھا۔ وہ دھک دھک کرتے دل اور منتشر اعصاب کو سننا اتنی بستر پر بیٹھ گئی۔

"بہا آیا حکم دینے والا آئندہ جاب ہے نہیں ہاں۔" حوریہ نے اس کی نقل اتاری۔ اسنے میں

حمیرا اور خولہ چچی اور آنکھیں۔

"یہ اشعر کیسے آیا تھا؟" سوال جتنا معنی خیز تھا لہجہ اس سے زیادہ معنی خیز تھا۔ حوریہ پہ گھڑوں پانی پر گیا۔

اسے ابھی ابھی احساس ہوا کہ دنیا والوں اور اس گھر کے مکینوں کی نگاہ میں اس کا اور اشعر کا تعلق کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ پھر خولہ اور حمیرا چچی تو ہمہ وقت دوسروں کی فوہ میں رہتی تھیں۔ لیکن کاموں رواں جاننے کو بے تاب تھا کہ اشعر کیوں آیا تھا۔ حمیرا کا خیال تھا وہ حوریہ کو زبردستی لے جانے کے لیے آیا ہے۔ خولہ کا کہنا تھا وہ طلاق کے کاغذات دینے آیا ہے مگر حوریہ نے گول مول سا جواب دے کر انہیں سخت یاس کیا۔

رعنا باقاعدگی سے کلثوم سے ملنے جاتی تھی۔ اگر سلیم گیلانی بھی موجود ہوتے تو بڑی محبت سے پیش آتے۔ ورنہ اس دن کے بعد پٹ کر بھی کلثوم کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی اور حوریہ تو ویسے بھی ذہن پروردہ تھی۔ کلثوم تین بار اس سے ملنے گئی اسے سمجھانے کی کوشش کر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

سلیم گیلانی کی انلا طرفی تھی جو انہوں نے حوریہ اور اشعر کے تعلق کے حوالے سے کلثوم سے کوئی باز پرس نہیں کی۔

کلثوم نے حوریہ کو یہاں سے لے جانے کے لیے بہت زور لگایا۔

"میرے ساتھ چلو! اکیلی کیسے رہو گی۔ اکیلی لڑکی یا عورت بہت غیر محفوظ ہوتی ہے۔"

"میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی یہاں کم از کم مجھے شرمندگی کا احساس تو نہیں ہوتا۔" وہ خود کو حق بجانب تصور کرتے ہوئے حد سے گزر رہی تھی۔

پھر اس کے بعد کلثوم نے اس سے کچھ نہیں کہلا۔ حوریہ کی بل تھی اچھی طرح جان گئی تھی کہ وہ بہت دھڑکی اور ضد پ اتر آئی ہے۔

وہ "تیا دن" کے دفتر سے نکل کر حسب معمول بس اسٹینڈ کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ اس کے پیچھے پیچھے کوئی اور بھی چل رہا تھا۔ وہ بس میں سوار ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ چڑھ گیا۔ حوریہ اپنے اسٹاپ پر گھر سے کھلی فاصلے پر اتری تو وہ بھی اتر گیا۔ گھر تک اس کے پیچھے آیا تھا۔ جب وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تب وہ واپس ہوا۔

حوریہ نے خود کو یہ کہہ کر سلائے کی کوشش کی کہ وہ اس کا وہم بھی تو ہو سکتا ہے۔ اگلے پورے ہفتے یہ معمول جاری رہا تو پہلی بار وہ خوفزدہ ہو کر نوٹس لینے پر مجبور ہو گئی۔

رم جنم بارش برس رہی تھی۔ آج وہ قدرے تاخیر سے انھی تھیں کیونکہ ایک سینار کی کوریج میں کھلی وقت لگ کر آیا تھا۔ وہ چار اپنے کردار اچھی طرح لپٹے چونکا نکاہوں سے سڑک سے ہٹ کر چلنے والے را بگیروں کو دیکھتے ہوئے چل رہی تھی۔

اپنے پیچھے اسے مخصوص قدموں کی آہٹ سنائی دی تو اس کی رگت حفر ہو گئی۔ بلکی پھٹکی بوند باندی جاتعدہ بارش میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ بری طرح بھیگ پئی تھی۔

حوریہ نے قدرے رک کر دھندلاتی آنکھوں سے بس اسٹینڈ کی طرف ایک بار پھر دیکھا۔ وہ شخص بھی رک گیا تو حوریہ کا جی چاہا نور نذر سے رونا شروع کر دے۔ یہ برسرِ اریلے اور تاثرات والا شخص جس کے چہرے پر معنی خیزی سکرابٹ کھیل رہی تھی گویا وہ زبان خاموشی کہہ رہا ہو کہ اب مجھ سے بچ کر کہیں جاؤ گی۔

جونہی اس نے قدم اٹھایا اس کی سرور تواز نے اسے لرزایا۔

"رک جاؤ اور میری طرف دیکھو۔" حوریہ نے قن پہلی بار اس کی آواز سنی تھی۔ عجیب و ہشت نہہ کر دینے والی آواز تھی۔ میکا کی انداز میں حوریہ کے قدم وہیں ساکت ہو گئے اور نگاہ اس کی طرف اٹھی۔

اس کے ہاتھ میں دو میانی سائز کی بوتل تھی جس میں کوئی پانی جیسا گلگل بھرا ہوا تھا۔ "یہ تیرا ہے۔ میں اسے تمہارے خوبصورت چہرے پر پھینکوں گا۔" اس کا سارا بدن خوف سے ٹھہرا گیا۔

وہ سفید رنگ کی مارگلہ اسی طرف آ رہی تھی۔ حوریہ نے بلا سوچے سمجھے گاڑی کی طرف لفٹ لینے والے انداز میں ہاتھ بند کیا اور سڑک کی پروا کیے بغیر گاڑی کی طرف دوڑ پڑی۔ وہ شخص بوتل کا ڈھکن کھولے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

گاڑی کا اگلا دروازہ کھلا۔ حوریہ کے پاس سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا جبکہ وہ آفت بھی اب اس سے چھوڑے قدم کے فاصلے پر تھی۔ حوریہ اندر بیٹھ گئی۔ وہ برسرِ اریلے شخص فٹ پاتھ پر کھڑا تے خود سے دور ہوتا دیکھ رہا تھا۔

کتنی دیر اسے اپنے حواسوں پر قابو پانے میں لگے۔ پھر اس نے اس صحن کی طرف چہرہ موڑ کر دیکھا۔ چاہا جس نے اس کڑے وقت میں اس کی مدد کی تھی۔

"آف ٹینڈ۔" اس نے اپنے ہونٹ دانتوں سے کچل ڈالے۔ "یہ شخص کیوں اس سڑک سے گزرا ہوا تھا اور میں کیوں اس گاڑی میں بیٹھی۔" پتہ نہ کہنے کے لیے اس نے لب کھولے مگر کوئی خیال آئے نہ خاموشی ہو گئی۔

"کچھ کھوٹ میرا تو خیال تھا کہ تم ابھی چلتی گاڑی سے اتر جاؤ گی۔" اشعر نے طعنے کا پہلا پتھر اس کی طرف لڑھکیا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم یہ جلب چھوڑو مگر تم نے نہیں سنا اگر تمہیں زندگی گزارنے کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے تو وہ میں تمہیں دے دیا کروں گا۔" مجھ سے مانگ لیا کرو۔ آخر میرا فرض کیا ہے۔ "حوریہ کا چہرہ احساس توہین سے تپ کر رہ گیا۔ "تپ اپنے روئے اپنے پاس ہی رہیں میں کلا گری پڑی نہیں ہوں پھر میں کیوں آپ سے مانگوں۔"

وہ پھر آؤت ہو رہی تھی۔ اشعر نے اچانک سائیڈ پر گاڑی روک دی۔

"دیکھو حوریہ! کسی کی برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ تم نے مجھے لیٹ ڈاؤن کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پورے خاندان میں ہمیں تمہا جتانے کی کوشش کی ہے۔ عین شادی والے دن تم نے جو کچھ کیا کیا وہ کوئی ذی ہوش لڑکی کر سکتی ہے؟ لڑکیوں تو اپنے دل باب کی عزت کی خاطر جان سے گزر جاتی ہیں اور تم یہی جی ہو جو خیر۔" اس نے سر جھٹکے۔

"لب تم کل سے آفس نہیں جاؤ گی۔" "تب کیوں بار بار مجھے حکم دے رہے ہیں۔ میں کوئی آپ کی مانت تو نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے حوریہ صاحبہ! تم یوں نہیں مانو گی۔" وہ فطرتاً تو وہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ حوریہ دل سے کہہ رہی تھی کہ بالکل ساتھ لگ گئی۔

بجی بھی اپنے مطلب کی خاطر شکست قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سوچ کر اس نے بھی اپنی نون بدل لی۔

"آخر آپ کیوں پہنچے ہیں کہ میں جلب نہ کروں؟" اس کے لیے میں اب پہلے جیسی ہٹ دھرمی اور ضد نہیں رہی اس لیے اشعر بھی نرم پڑ گیا۔

"دیکھو حوریہ! اب تم ہمارے خاندان کا ایک حصہ ہو۔ میری بیوی ہو۔ اگر تم چند ہزار کے لیے ان اخبارات کے دفاتر میں دھکے کھاؤ تو میری غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی۔ تم مانو نہ مانو میرا تمہیں چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے کیونکہ کلثوم آنٹی نے کہا ہے کہ میں ان کی خاطر نہیں برداشت کر لیں اور یہ کہ ایک دن تم خود ہی سمجھ جاؤ گی مجھے اسی دن کا انتظار ہے۔ حوریہ زندگی بڑی مختصر ہے اسے کیوں نظروں کی نذر کر رہی ہو؟ زندگی اتنی ارزاس تو نہیں ہوتی کہ اسے یوں ضائع کر دیا جائے۔ میرے پاپا اور چچا بہت اعلا عرف ہیں۔ تم جو کچھ کر رہی ہو وہ اسے تمہاری نالائی بہ معمول کر رہے ہیں اور اب بھی تمہاری بواپسی کا انتظار !

کر رہے ہیں۔" حوریہ کچھ نہیں بولی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا۔ جیسے کسی پتھر سے اپنا سر پھوڑ رہا ہے۔ "اگر تمہیں جلب کرنا ہے تو تم میری ابھنسی آ جاؤ۔"

"کیوں نہیں میں؟" وہ پھر تند ہوئی۔ "حوریہ! آئندہ مجھ سے اس انداز اور لمبے میں بات نہ کرنا۔ میں خادی نہیں ہوں۔"

"اچھا اب گاڑی چلاؤں۔" مجھے دیر ہو رہی ہے۔ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" اشعر نے ڈیش بورڈ کھولا۔ اس کا ہاتھ باہر آیا تو خاصی رقم اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ اس نے خاموشی سے حوریہ کی طرف بڑھائی۔

"یہ میں نہیں لوں گی۔" وہ اپنی انٹی خودداری کے ہاتھوں مجبور تھی۔

"یہ میں نہیں دے رہا ہوں۔ آنٹی نے دے دیے تھے۔" "ہر حال میں پھر بھی نہیں لوں گی۔" وہ قہقہہ کن انداز میں بولی۔

اچانک ہی اشعر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بلبلایا کر رہ گئی۔

"میں اس کا حق رکھتا ہوں۔" وہ اس کا لالہ بھجھو کا چہرہ دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ بارش کی شدت میں



مزید تیزی آگئی تھی۔  
”کھڑکی؟“

”کون سے کمرے؟“

”میرے کمرے جو تمہارا بھی ہے۔“

”میرا کمرہ وہی ہے جہاں میں رہتی آئی ہوں۔“  
”بہر حال میرا جی چاہ رہا ہے تا کہ میں ساتھ لے  
جانے کو۔“ وہ موز کائناتے کائناتے پھر اس کی طرف جھکا تو  
حوریہ اس کا رونا بھرتاب کر دواڑے سے لگ کر بیٹھ  
گئی۔ وہ بھلا کھول کر نہلا۔

اس کی نظروں اور لہجے کی بے باکی نے حوریہ کے  
تن بدن میں پھری سی دواڑی۔

\*\*\*

کوواک دن  
کہ جو کچھ بھی  
ہمارے پاس ہے  
سب کچھ تمہارا ہے  
کوواک دن

انصر شیو کرتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔ ورنہ برآمدے  
میں پڑی کرسی پر بیٹھی چائے کا کٹ تھا۔ آہستہ  
آہستہ چکیں لے رہی تھی۔ انصر کی توازیہیں تک  
آ رہی تھی۔

ستارہ سی جنہیں کہتے ہو

وہ آنکھیں تمہاری ہیں

جنہیں تم پھول سی کہتے ہو

وہ باتیں تمہاری ہیں

وہ ماضی کے ریک زار ہیں میں کھو گئی تھی۔ اشعر کو  
بھی یہ گانا بہت پسند تھا۔ موقع بے موقع ورنہ کے آگے  
گنگنا لاورا سے چھڑتا۔

جنہیں تم شلخ سی کہتے ہو

وہ باتیں تمہاری ہیں

ورنہ کی چائے یوں ہی پڑے پڑے لٹھڑی ہو رہی  
تھی۔ انصر نے وہیں سے اسے توازن لگائی۔

وہ خود اپنا مجھے کہہ دے۔

محبت واک دن

”جی کیا ہے؟“ وہ ہاتھ روم کے دروازے پہ کھڑی

تھی۔

”مجھے دھلا ہوا تکیہ تو نکل دے۔“ وہ ریزہ دوش جیسے  
پہ رکھتا ہوا بولا تو ورنہ جیسے سر ہلاتے ہوئے مڑی۔

اگر سب کچھ میرا ہے

تو سب کچھ بخش دو مجھ کو

انصر پھر شرمیں ہو گئی تو ورنہ کو قدم اٹھا دیا۔ پھر ہو گیا۔  
وہ خود اپنا مجھے دے۔

محبت واک دن

اس نے دھلا تکیہ انصر کے ہاتھ میں تھمایا تو اس کی  
زبان رک گئی۔ وہ کچن میں پہنچی تو انصر کی توازیہ پھر آئے۔

لگی۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ ورنہ کے لبوں پہ رینکتے

لگی۔ اسد بھی تو کی کتا تھا۔

یکدم ورنہ کو کونک رینگ کے پاس کھڑی، کھڑے  
بڑے زور کا چکر لیا۔ اس نے شیف کے کندھے کو  
تھام کر خود کو کرنے سے بچایا۔

”ورنہ! یار باہر تو۔“ انصر نما کر آچکا تھا اور اسے  
توازیہ رہا تھا۔ مسلسل خاموشی پا کر انصر کچن میں  
آگیا۔ ورنہ وہیں بھی نہیں تھی۔ وہ وہاں کب سے گیا  
تو ورنہ کا ہنسنے کا نور کشن کے سارے بیٹھی تھی۔

”ورنہ! کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا  
تمہاری؟“ وہ بچوں کے بل اس کے پاس بیٹھتے ہوئے  
تشویش سے بولا تو ورنہ نے اچھی نگاہوں سے اسے  
کندھے سے دھرے اس کے بازو کو دکھا اور پھر اس کا  
ہاتھ ہٹاتے ہوئے چلائی۔

”قار کاڈسک“ میرا چھاپچھوڑا ہے۔ مجھے اپنی مرضی  
سے سانس لینے دیں۔ پلیز پلیز میں آزادی کے احساس  
سمیت جینا چاہتی ہوں۔“ ورنہ کے یہ بیگانہ تیور  
رکھائی سے بر الفاظ نہ کتنی اجنبی لگ رہی تھی۔

انصر کی آواز میں۔۔۔ اور مٹا تھا۔

”شاید تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔“ وہ چپا چپا کر

بولی۔

انصر روشن پریشان سا کمر سے نکلا۔ اس نے ہاتھ  
بھی نہیں کیا تھا۔

ورنہ شادی سے لے کر اب تک پوری طرح اس پہ  
کھلی نہیں تھی۔ انصر کی تمام تر کوششوں کے باوجود  
اس سے بے تکلف نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسے بے حد  
قربت کے باوجود بھی خود سے بہت دور محسوس کرتا۔  
ذہنی طور پر وہ اسے کہیں اور ہی پہنچی ہوئی لگتی۔ ہر بار  
اسے یوں لگتا جیسے وہ اجنبی ورنہ سے مل رہا ہو۔ سرد  
تکثیر کی طرح محسوس ہوتی جس میں زندگی کی کوئی  
حرارت اور رقی نہیں ہوتی۔

ورنہ نے کبھی اس کے پاس بیٹھ کر اس کے پسندیدہ  
موضوعات پہ گفتگو نہیں کی۔ وہ ایک دواہ کے سوا  
کہیں بھی اس کے ساتھ باہر نہیں گئی۔ وہ اگر خود سے  
بلت کر تا تو وہ جواب میں ہوں ہلی اور جی کے تین چار  
تلفاظ سے زیادہ کبھی نہ بولتی۔

انصر کو جیسے موسم اور چاندنی راتیں بہت پر کشش  
لگتیں۔ اس کا جی چاہتا تو ورنہ کے ساتھ برستی بارش  
میں دوڑ تک چلے۔ ٹھنڈی چاندنی راتوں میں حکایت  
دل اسے بیان کرے۔ اس سے بتائے کہ وہ اسے دل  
وجہ کی آخری حدوں تک چاہتا ہے اتنا زیادہ کہ انصر  
کے ریشے ریشے میں اس کا نام لہو بن کر گردش کرنا  
چاہتا ہے۔

مگر وہ اتنی اجنبی سی لگتی کہ وہ اپنے بہت سے  
خوبصورت مذاک۔۔۔ کا کھانا کھوٹتا ہے۔

جب رات گئے وہ لوٹا تو ورنہ وہیں تھی۔ انصر نے  
ایک نظر بند کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر  
کیست روم میں آکر لیٹ گیا۔

”مجھے میری مرضی سے سانس لینے میں آزادی  
کے احساس سمیت جینا چاہتی ہوں۔“ اسے ورنہ کی  
صبح کی گفتگو یاد آئے گی تو خند اس کی آنکھوں سے  
نکلتا تھا۔

\*\*\*

روزینہ بیگم کی بھانجی کی شادی تھی۔ انہوں نے۔

شور کوٹ، انصر کو فون کر کے بتایا تھا کہ اس نے آنے  
سے معذوری ظاہر کر دی۔

”جی! میں ایک کورس کے سلسلے میں چار ہفتوں  
کے لیے سوڈا ایئر نہیں جا رہا ہوں، اس لیے نہیں  
آ سکتا البتہ ورنہ کو بھیج دوں گا۔“ خیر بھائی سے کہیں  
ایئر پورٹ سے ریسو کر لیں۔“ پھر اس نے ورنہ کے  
مطابق ورنہ کو بھیج دیا۔

وہ شام کو آئی تھی۔ روزینہ بیگم نے اسے بتایا کہ  
شمال ہسپتال میں سب روزینہ شمال کی پچھو تھیں  
اس لیے آنے والے مہمان کے لیے انہوں نے بے  
شمار چھوٹی موٹی چیزیں تیار کی تھیں۔ ورنہ کو ساتھ لے  
کر ہسپتال پہنچیں۔

خولہ چچی غزل اور حمیرا چچی بھی وہیں رنگ روم  
میں موجود تھیں۔ اسد، شرجیل کے ساتھ کھڑا تھا۔  
روزینہ بیگم کے سلام کا جواب اس نے خوشدلی سے دیا  
اور دوبارہ شرجیل سے باتوں میں کمن ہو گیا۔

روزینہ بیگم دیگر خواتین کی طرف آنکٹیں۔ ورنہ  
وہیں کھڑی رہی۔ اسد، شرجیل سے کہہ رہا تھا۔ ”جب  
بیوی ملے گی بن جائے تو مرد کو لانا“ اپنے لیے ایک محبوبہ  
ذہن نشین چاہے۔

”بھائی جان! آپ بھی باپ بنے جا رہے ہیں۔  
آڑے دیکھیں گے۔“ لہجے کوئی محبوبہ ذہن نشین یا نہیں؟“  
شرجیل بے تکلفی سے بھائی کے شانے پہ ہاتھ مار کر  
بولا۔

”یار! میری محبوبہ تو قتل ریڈی موجود ہے۔ مجھے یاد  
کر کے اب بھی آپیں بھرتی ہوگی۔“ اسد کن آنکھوں  
سے ورنہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”بھائی جان! آپ کے تو ہمیشہ ہو گئے۔ میں بھی  
آپ والی حکمت عملی اپنائوں گا۔“ سیاہ سر پہ تو میرے  
پچھے پڑ گئی تھی کہ شادی کر لو شادی کر لو وہ بیوی تو کیا  
محبوبہ بننے کے بھی لائق نہیں ہے۔“ شرجیل حقارت  
سے سر ہلاتا رہا تھا۔

ورنہ کا چہرہ حواں دھواں ہو گیا۔

”بر روم کا دروازہ کھلا، سفید اور تل میں لمبوس ڈاکٹر

نے اسعد کو بچی کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو وہ بے تابی سے شامل کے پاس پہنچا۔ ورنہ واپس گھر تائی تو احساس جرم حد سے زیادہ ہو چکا تھا اسعد کی گھٹیا سوچ اور عامیانه طرز فکر نے آج اسے بہت دکھ دیا تھا۔ اسے نگاہیں سے کسی تلویذہ زنجیر کی آخری کڑی تھی جس سے آزاد ہو گئی تھی۔

اسے یوں لگ رہا تھا انہر کی زندگی میں وہ نئے سرے سے داخل ہو رہی ہے۔ کلثوم کی ایک بات اسے یاد آ رہی تھی جو انہر سے اس کا رشتہ طے ہونے کے بعد سے کتنی رہی تھی۔

"خدا جب ہماری کوئی پسندیدہ چیز لے لیتا ہے تو اس کے بدلے میں بہترین چیز عطا کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت ہم اس مصلحت کو نہیں سمجھتے۔" ورنہ بھی اس حقیقت سے انکھ ہو گئی تھی کہ اسعد اس کی پسندیدہ چیز تھا اور انہر اس کے لیے بہترین تھا۔ بے شک خدا بہترین چیز ہی ہمیں دیتا ہے۔ پسند تو ہمیں بہت کچھ ہوتا ہے چاہے وہ ہمارے لیے نقصان دہ ہی ہو مگر اوپر والا کب ہمارا نقصان چاہتا ہے اسے پتہ ہوتا ہے کہ ہمارے لیے کیا اچھا ہے سو اس نے انہر کو ہی اس کے نصیب میں لکھا تھا۔

\*\*\*

حوریہ اور ورنہ کو جبکہ وقت فون موصول ہوا تھا۔ "تمہاری امی ہسپتال میں ہیں۔ فوراً آ جاؤ ورنہ شاید تم لوگ بہت بچھڑاؤ۔" سلیم صاحب کمزور لیٹے ہیں کہہ رہے تھے۔ آگے پیچھے ہسپتال پہنچی تھیں۔ کلثوم بڑھ چلی تھیں انداز میں بستر پہ لیٹی ہوئی تھیں۔ وہ محض بیویوں کا ڈھانچہ لگ رہی تھیں۔ شبلی برکت ماند رہ گئی تھیں۔ آنکھیں جیسے گڑھوں میں دھنسی ہوئی تھیں۔

"امی! آپ کو چند ماہ میں کیا ہو گیا ہے۔" ورنہ کی ساری ناراضی بھاپ بن کر اڑ گئی وہ بے اختیار اس کمزور سینے سے لپٹ گئی حوریہ کو بھی حوصلہ ہوا جبکہ رعنا پہلی بولیں موند گئی۔

"میری بچیو! مجھے معاف کرو۔ حوریہ! تم بھی مجھے معاف کرو۔ میری ایک آخری التجا ہے چپ چاپ اپنے سرسری چلی جاؤ وہ لوگ تمہیں کوئی طعنہ دے بغیر قبول کر لیں گے۔ بس سمجھ لو یہ میری آخری خواہش ہے۔" وہ پُر امید نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ حوریہ خاموش رہی۔

"یہ ٹھیک ہے کہ میں نے تم لوگوں کی خاطر وہ سری شادی کی مگر اس میں میرا تصور اس حد تک ہے کہ میں نے تم لوگوں کو انگوٹھیں کیا اور ایک سہلت بھی نہ صرف تم لوگوں سے بلکہ سلیم صاحب سے بھی تصانی کہ ایس ایم برادرز میں جلب کرتے ہی مجھ پر کینسر ٹیپسی موزی بیماری کا انکشاف ہوا تھا۔ اس وقت میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میرے سامنے تم تینوں کا تھا۔ اور مستقبل تھا۔ سلیم صاحب نے مجھے شادی کی پیش کش کی تو میں خود غرض بن گئی پھر میں نے سلیم صاحب سے کہا کہ جلد از جلد میری بچیوں کے لیے اچھے رشتے تلاش کریں۔ انہوں نے غلوں نیت سے میرا ساتھ دیا۔

میں نے شاید اپنی غرض کے لیے ہی سلیم صاحب سے شادی کی اور انہیں اپنی بیماری سے بھی باہم رکھ دیا۔ مجھے معاف کرنا۔ کلثوم جیسے تھک کر خاموش ہو گئی تھی۔

سلیم گیلانی نے ڈاکٹروں کا پورا پیس بٹھلایا تھا مگر کلثوم کی بیماری اس بلا خلاق حد میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کی زندگی اور صحت یابی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔

اور پھر تینوں کی موجودگی میں ہی کلثوم نے دم توڑا۔ اس کی موت پہ حوریہ سب سے زیادہ تڑپ تڑپ کر رہی تھی۔

سلیم گیلانی کی رہائش پہ تعزیت کے لیے آئے والوں کا ہنسا بندھا ہوا تھا۔

وہ تینوں بہنیں بھی مل کی میت کے ساتھ سلیم گیلانی کے گھر تائی تھیں۔

\*\*\*

وہ دار و دلہیز روز انہر چھبیس بیٹھ بیٹھ کے لیے ڈکڑا پڑا۔ روزانہ سلیم اسے نور نذر سے اور ان تین محرومہ تو پھر کے بت کی مانند سادگت

انہوں نے خبر غلط ہو انہر زندہ ہو تو وہ اسے بتائے کہ یہاں مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ میں اسعد کو کتنی تکی ہوں۔"

ابو نے غلط کہیں ہو سکتی تھی۔ ان کا پورا گھر لوگوں پر ہوتا تھا۔ یہاں ہر طرف لوگ ہی لوگ۔ انہر نورس کے فوجوانوں نے انہر کا نبوت انجلیا تھا۔ لوگ خود بخود راستے سے ہٹتے جا رہے تھے۔

انہر نے اندھوں پہ چل کے گیا تھا اور اب کندھوں پہ آگے آیا تھا۔ یاد دہی فوجوانوں نے نبوت کھلی رکھا تھا۔ وہ اب قدرے پیچھے ہٹ کر سر تھکائے اور انہر کے سر پر تھے۔

انہر کی نبوت قوی پرچہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ سب انہر کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ ان کا ہنسا مسکراتا۔ انہر کی اونٹ میں تھا وہ پتھر پر انداز میں کھڑی تھی۔ عورتیں اسے ڈانٹنے کی کوششیں کر رہی تھیں۔

وہ دار و دلہیز چھبیس چھوڑ کر چلا گیا ہے۔" اور عورتیں مار مار کر رہ گئی۔ پتھر کے ٹکڑے میں لگی گئی۔ روزانہ سلیم ورنہ کی چیخوں کی آواز سن کر ہاں اپنے کمرے سے باہر نکلیں ان کے پیچھے وہاں صاحب تھے۔

انہر نے کہا ہوا کیا کوئی خوفناک خواب دیکھ لیا تھا۔ ان کے چہرے پہ پھلتے آنسو نظر انداز کرنے میں نہیں تھے۔

انہر نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔" وہ ان کے لیے کئی اب بھی سک رہی تھی۔ وہ ہولے ہولے کی پینہ چھپکنے لگیں۔

انہر نے خواب ہی تھا مگر کتنا بھیا تک خواب

انہر نے انہر کی بہت زیادہ یاد آ رہی تھی۔" وہ

شرارت سے اسے دیکھنے لگیں۔ "فکر نہ کرو پرسوں وہ کورس کھیلٹ ہوئے کے بعد آ رہا ہے۔ دس دن کی چھٹی بھی مل رہی ہے۔ تم سو رہی تھی جب انہر کا فون آیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ چلی گئیں تو اس نے اسی وقت اٹھ کر وضو کیا اور شکرانے کے لواقل ادا کر کے انہر کی درازی عمر کے لیے دعا مانگی۔ اپنی کوتاہیوں کی رعب سے معافی طلب کی۔ دل میں اترتے ڈھیروں سکون نے اسے سورا کر دیا تھا۔

ای کی بیوی کے بعد کی زندگی نے اسے زندگی کی ایک صحیح حقیقت سے روشناس کر دیا تھا اور وہ بچھٹاتا نہیں جانتی تھی۔ وہ انہر سے ایک نئے رنگ میں ڈھل کر ملنا چاہتی تھی۔

وہ رنگہ جو چاہت کا ہوتا تھا وہاں کا تھا ہوتا۔

وہ انہر کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ ایک نئی دورہ سے مل رہا ہے جس کے دل میں صرف اس کی محبت ہے۔ دورہ نے اپنا سب سے اچھا سوت پینا تھا۔ غزالہ بھابھی جو مندی لگانے میں خاندان بھر میں مشہور تھیں ان سے مندی لگوائی تھی۔ روزانہ سلیم انہر کی پسندیدہ ڈشز پکوا رہی تھیں اور خود بھی کچن میں خانسالی کی مدد کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

ورنہ سوٹ ڈش کے اوپر پھلوں کے ٹکڑے کات کات کر فاسٹ سے سجا رہی تھی۔ انہر کے آنے پہ روزانہ نے اسے زبردستی کچن سے باہر نکالا۔

وہ شبلی کے لئے لائے گئے گفٹس کھول رہا تھا۔ ورنہ نے جھپکے ہوئے سلام کیا تو انہر نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی۔ ورنہ نے پتکوں کی جھال کر لٹی۔ پاس بیٹھی غزالہ بھابھی ان دونوں کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔ انہر بلیو لائنوں والی شرٹ اور چنٹ میں بیچنگ ٹائی لنگے بیٹھ کی طرح فریش اور انبارٹ لگ رہا تھا۔ سب اس نے اور بھی چھوئے کروا لیے تھے جو اس کے چہرے پہ سوت کر رہے تھے۔

"انہر! ورنہ تمہارے بغیر بہت ادا رہی ہو گئی تھی۔

میرے برے خواب آنے لگے تھے ایک رات تینیں

مارنے لگی کہ میں نے انہر کو خواب میں مرتے دیکھا ہے۔

"واقعی؟" وہ خوشگوار حیرت سے چار ہوا۔

"کیوں ورنہ! پتا نہ تھا۔" غزالہ نے اسے ٹھوکا دیا تو وہ شرمندہ سی ہو کر وہاں سے اٹھ گئی۔

ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد انہر آرام کرنے کے لیے کمرے میں آیا تو ورنہ نے بھی اسی وقت نماز مکمل کر کے بنا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

وہ اسے پوری محویت سے دیکھنے لگا۔ ورنہ جاہ نماز تہ کر کے رکھی اور سچ سچ کہہ رہی تھی۔ "پاس نیچے زمین پہ بیٹھے کارپٹ پہ بیٹھ گیا۔"

"انہر! آپ وہاں ٹھیک تو رہتے ہیں۔ میں نے آپ کو بہت مس کیا۔" ورنہ کے ہاتھ انہر کے ہاتھوں پہ دھڑکے ہوئے اسے ایک نئی کہانی سناتے محسوس ہو رہے تھے۔ نہ پہلی بار بے تکلفی سے خود اس کے پاس آئی تھی۔

انہر خود کو آہٹوں میں ڈالتا محسوس کرنے لگا۔ اس کی ذات کا ادھر وہاں مکمل ہو گیا تھا۔ انہر نے اس سے کچھ نہیں پوچھا نہ ورنہ نے کوئی وضاحت کی۔ "انہر! اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"میں نے پہلے تم سے کوئی شکایت کی ہے جو تم کہہ رہی ہو۔"

"بس مجھے پتہ ہے نا" میں نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے۔" وہ شرمندہ شرمندہ سی انگلیاں چٹک رہی تھی۔ انہر نے اس کے لیے اپنے دل تک آنے والے سارے راستے کھول دیئے تھے۔



اشعر غصہ نہیں کر حوریہ کو اپنی کارگزاری بتا رہا تھا۔ "احمد رضا کو میں نے ہی سہارے پیچھے لگایا تھا۔ احمد رضا آری کارخانہ فوجی ہے اور ہماری سیکورٹی ایجنسی کا سب سے فرض شناس اور تیز بند ہے۔"

"اگر وہ سچ سچ مجھ سے تیزاب ڈال دیتا تو گھبراہٹ میں

ایسا کر بیٹھتا تو۔" حوریہ نرمٹھے ہیں سے کہتا ہوں۔

اشعر نے اسے نرمی سے اپنے حصار میں لے لیا۔

"اس بول میں تیزاب تھا ہی کملی عام بات ہے۔ میں تمہیں سبوتوف انفر آتا ہوں۔"

"تھے بڑے جو کہ بڑے ہیں آپ۔"

"محبت اور خشک میں سب جائز ہے میری بہن! یہ محبت درمیان میں کملی سے آئی۔"

بوجہ کر اسے چڑا رہی تھی۔ "اسی طرح جس طرح تم میرے گھر بھری۔" مجھے ڈسٹرب کرنے آئی تھیں۔

"احسانی میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا تھا۔"

"یا اگس۔"

"اشعر! اشکر ہے کہ مجھے بروقت عطف آتا ہے۔"

جہان نے کیا ہوتا۔ "ہو تاکیا اللہ ہی حافظ ہوتا۔" وہ اس کے اہل کھینٹے ہوئے بولا۔

آن جن کے ہاں ورنہ اور رعنا کی دعوت تھی۔

اپنی مگرانی میں تمام انتظامات مکمل کروا رہی تھی۔

کی گود میں بیارہی سی بچی تھی جو چند ماہ کی تھی۔

اسے بار کرنے لگی۔ رعنا نے شوہر اور بیٹی کے بار

بست بختن اور آسمان علی نظر آ رہی تھی۔

کھٹو کی تریاں رانہ نکال نہیں گئی تھی۔ اس کے

منہ کی تصویر بڑی مکمل تھی۔ زندگی کے سارے

نمایاں لگ رہے تھے۔

کلیوم زندگی کی آزمائشوں میں نہیں بھی ہوا۔

ہوئی تھی نہ اس نے بہت باری تھی۔ اس کے

حوصلے اور قوت بازو پر بھروسہ کر کے ناقص

حالت کو شکست ہی تھی۔

اگر وہ حوصلہ بار کر بیٹھ جاتی تو کیا ہوا؟

خوبصورت ہوتی؟

شاید نہیں۔!